ع ۵۸۳۰

کردار دعبل

دار الاشاعت اسلامی کا پہلا شاہکار

کردار دعبل

شاعر عرب

حضرت دعبل خزاعی کے مذہبی کارنامے



خطیب قوم جناب مولانا سید غلام مرتضیٰ صاحب قبلہ (صدر الافاضل)

قوم سے اپیل

آج دنیا جس نازک دور سے گزر رہی ہے اس کا اندازہ ہر انسان کو بخوبی ہے ایک طرف اقتصادی کش مکش کا یہ عالم ہو کہ جب تعداد معاشی ضرورتیں زیادہ بڑھتی جاتی ہیں اتنے ہی رو[زی] کے وسائل گھٹتے چلے جاتے ہیں۔ ادھر انسانی بھوک بڑھ رہی ہے۔ ادھر غذائی اشیاء کی قیمت اور چڑھ رہی ہے بے دینی اور لامذہبیت کا ایک سیلاب ہے جو مسلمانوں کو ان کے اخلاق سمیت لے ڈوبنا چاہتا ہے ایسے عالم میں کسی مذہبی ادارے کا قیام جان بوجھ کر بجلیوں کی زد پر نشیمن بنانے کے مرادف ہے مگر سچ بتائیے کیا چند مریضوں کے علاج کا عنوان یہی ہے کہ ڈاکٹر خود بھی مریضوں کے ساتھ مریض بن لیٹ رہے کیا سوئے ہوؤں کو جگانے کا یہ طریقہ کارآمد ہوگا کہ جگانے والا سب کو سوتا دیکھ کر خود بھی چادر اوڑھ کے خراٹے لینے لگے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ہمیں قدرت کا یہ وعدہ کبھی نہ بھولنا چاہیے هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون معبود برحق وہ ہے جس نے رسول کو ہدایت و دین حق دے کر اس لیے بھیجا کہ وہ تمام ادیان عالم پر اسے غالب کر دے اگرچہ یہ امر مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ یاد رکھیے آپ اس وقت تک اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کا دین ساری دنیا کا دین نہ بن جائے اور عالم کا چپہ چپہ آپ کی تکبیر کے نعروں سے گونجنے نہ لگے۔ اگر آپ کو درد قومی اور جذبات دینی بے چین کر رہے ہیں تو آئیے اور اپنے دارالاشاعت اسلامی کے ذریعے دنیا کے کونے کونے کو تبلیغ مذہب سے بھر دیجیے۔ دیکھیے آج دنیا اپنے نظریات پھیلا دینے میں کس کس طرح سے جد و جہد کر رہی ہے آپ کا ادب آپ کے سینما ہال آپ کے ہوٹل آپ کی تفریحیں سب کے سب مذہب کشی کی قربان گاہ بن کے رہ گئے ہیں۔ آپ کے سامنے آپ کے مذہب پر حملے ہوتے ہیں مذہبی رہنماؤں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اسلامی تہذیب کا مضحکہ کیا جاتا ہے۔ دوسری قومیں اپنے اسلاف کے کارنامے سج سج کر پیش کر رہی ہیں مگر آپ چپ ہیں قابل صد تشکر ہیں خطیب قوم جنہوں نے یہ کتاب لکھ کر قوم کو شاعر آل محمد کی عظیم شخصیت سے روشناس کرایا

ماسٹر سید فدا حسین رضوی

آنریری سکریٹری دارالاشاعت اسلامی۔ بی بی گنج۔ سعادت گنج لکھنؤ

شاعر علی مرتضیٰ کے دعبل خزاعی کے سلسلۂ اصول رسول اللہ

کردار علی

خطیب قوم شمس الواعظین مولانا سید غلام مرتضیٰ صاحب قبلہ
(صدر الافاضل، لکھنوی)

دار الاشاعت اسلامی کا شاہکار
ماسٹر سید فدا حسین رضوی آنریری سکریٹری

باہتمام جناب افضل حسین صاحب (کاتب قومی آواز)

عصر حاضر کے

نوجوان شاعر و غیر شاعر

دونوں کے لیے

مذہبی بے داری اور دینی کردار

کا

بہترین سبق

شاعر آل محمد جناب دعبل خزاعی کے

سوانح حیات

سے

حاصل ہو سکتا ہے

خود پڑھیے اور بچوں کو پڑھائیے

۲۸۶

عطیہ از لائبریری وقف منصبیہ

منجانب عالیجناب معلی القاب الحاج سید محمد علی زیدی

لائبریری متوسل دفعدار

16 3/56

۲۰۲۰۶

کتب خانه وقف منصبیه

شهر میرٹھ

کتابخانہ وقف



خطیب قوم مولانا سید غلام مرتضیٰ صاحب

(مؤلف کتاب)

عرض حال ——— (مولف)

یہ خیال مدت سے ذہن میں تھا کہ زبان کے ساتھ ساتھ قلم کے ذریعہ سے بھی خدمت قوم کا فخر حاصل کروں اثنائے مطالعہ میں آغانی کی ۱۰ ویں جلد نظر سے گزری جس میں شاعر آل محمد حضرت دعبل خزاعی کیلئے بہت ہی نازیبا قسم کے الفاظ نظر سے گذرے جو عقیدت کی طبع نازپر بے حد بار ہوئے دل بول اٹھا کہ ایسا شاعر جس کو معصوم اپنا مددگار کہہ کر ابدی عزت اور خلعت فاخرہ دے کر سند کمال عطا فرمائیں۔ وہ کبھی مصنف اصفہانی کے ان الفاظ کا سزاوار نہیں ہو سکتا (کہ بڑا قبیح الہجا خبیث اللسان بد زبان و بدگو شاعر تھا) یقیناً اس راکھ میں کوئی نہ کوئی تعصب کی چنگاری ضرور چھپی ہوئی ہے۔ جو ہر ہنر مند و باکمال شیعہ کے لیے زمانہ نواز مورخین کو ہر دور میں جادۂ انصاف سے ہٹائے رہی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنی بساط بھر انھیں مورخین کی کتابوں سے جو حقائق حاصل کر سکا ہوں انھیں دعبل کے ثبوت حقانیت میں منصفانہ نقد و نظر کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کیونکہ حدود قلم میں یہ میری پہلی خدمت ہے۔ جو قوم کی بارگاہ علمی میں پیش کر رہا ہوں لہٰذا اس میں اکثر خامیوں کا ہونا ناگزیر ہے۔ امید ہے اہل نظر عفو فرماتے ہوئے ہمت افزائی سے کام لیں گے۔ نیز موضوع وہ ہے جس پر میرے پہلے ہندستان میں کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہے۔

احقر الوریٰ سید غلام مرتضیٰ عفی عنہ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

دھر لے قرار کو کب قرار آیا اور فلک دوار نے کب اپنی حرکتیں چھوڑیں زمانہ بدلتا رہا ہے اور بدلتا رہیگا صرصر فنا کے جھونکوں نے وہ شمعیں گل کردیں جن سے محفل انسانیت جگمگا رہی تھی اور وہ پھول توڑ لیے جن سے گلستان علم و عمل دہک رہا تھا جدید شمعوں نے بزم میں نئی روشنی پھیلائی اور نئے نئے پھولوں نے گلزار علم کو مہکا دیا زمانے کے ساتھ ماحول اور ماحول کے ساتھ مذاق عرفی کا بدلنا ناگزیر ہے سادگی کی جگہ تکلف اور بے تکلفی کے مقام پر تصنع نظر آنے لگا ہر زبان کے ادب نے ایک نئی کروٹ لی کچھ پرانی چیزیں نکالی گئیں کچھ نئی چیزیں داخل کی گئیں اپنوں کو چھوڑ کر غیروں سے ناتہ جوڑنا مانوس اصطلاحوں کو چھوڑ کر نامانوس لفظوں کی عادت ڈالنا منجملہ اسباب ترقی خیال کیا گیا غرضکہ تن من دھن سب کچھ یورپ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے خیر مقدم میں فرش راہ کردیے گئے اور اس طرح دنیا کو تمدن سکھانے والا مسلمان یورپ کی درس گاہ تمدن کا طفل مکتب بن گیا خدا و رسول پر ناقص ایمان رکھنے والے مسلمان یورپ کے ہر نقص و کمال پر بھرپور ایمان لے آئے ہندوستان میں غریب اردو ہی اپنے ادب کی بے ادبی کا شکار نہیں ہوئی بلکہ ایران میں عربی و فارسی کا بہنا یہ رشتہ مغربی کی تیز دھار سے قطع کیا گیا مصر میں عربی بھی زمانہ کی تراش خراش سے محفوظ نہ

رہ سکی میرا یہ مقصد نہیں کہ یہ سب کچھ غلط ہوا حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانہ کا ادب اس دور کی معاشی اور معاشرتی حالت کا آئینہ ہوتا ہے اور ادب برائے ادب کے مقابلہ میں ادب برائے زندگی کا نظریہ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہر شے کی ترقی اور اضافہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس شے کی ذاتیت فنا نہ ہونے پائے اور جذبۂ جمالیت روز بروز ترقی کرتا جائے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب کسی انقلاب کی نیرنگیاں دلوں میں گھر کرنے لگتی ہیں تو انسان اپنے سابقہ روایات زندگی کو بھول کر دفعتاً انھیں میں ہوجانے کی کوشش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج کا مسلمان جتنا مذہب سے لاپرواہ نظر آتا ہے اتنا کبھی نہیں تھا۔ اس کی مثال اس حرارت زدہ انسان کی سی ہے جو شدت گرما سے پسینہ میں ڈوبا ہوا کسی دریا کے ساحل پر کھڑا ہوا موجوں کی بیتابی کا نظارہ کر رہا ہو۔ اور ایکدم سے بغیر کچھ سوچے سمجھے خنک و شفاف موجوں کی آب تاب سے متاثر ہو کر کود پڑے ظاہر ہے کہ وقتی طور پر وہ اپنی عارضی گرمی کو دفع تو کر لیگا مگر ان حرارت زدہ اعضا پر فوری خنکی کا اثر اس کے لیے متعدد امراض کا پیش خیمہ ہوگا اور نتیجہ میں اس کی زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے گی کون کہہ سکتا ہے کہ آج کی دنیا ادیب، شاعر، یا عالم کامل، پیدا نہیں کرتی نہیں پیدا ہوئے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے مگر سچ سچ بتائیے کہ پھر آپ کا دل کیوں اسلاف کے کارناموں پر سر دھنتا ہے آپ اپنی خلوتوں میں کیوں ان کی تصویر خیالی کلیجے سے لگائے رہتے ہیں کیوں آپ سوچا کرتے ہیں کہ اب وہ پہلے کی سی وضعداری وہ کردار وہ دیانت وہ عزم وہ ہمدردی کہیں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ یہ کیوں؟ از ماست کہ بر ماست۔ ہم نے خود اپنے اصول چھوڑ دیئے ہم نے اپنے روایات کو بھلا دیا ہم فکر ترقی میں یوں مدہوش ہوئے کہ تنزل

کو بھی ارتقاء سمجھنے لگے خوئے انقلاب پسندی نے ہم سے خیر و شر کی تمیز چھین لی نشۂ عصری نے ہم کو یوں مسحور کیا کہ اپنی متاع آپ دوسروں پر نچھاور کرنے لگے اپنی چیزیں جب تک اپنے پاس رہیں، ہیچ معلوم ہوتی رہیں اور جب مغرب کی نمائش گاہ میں سجی گئیں تو ہم کو انھیں دیکھ کر وجد آنے لگا۔

آپ یونہی سوتے رہیں گے اور آپ کی فطرت آپ کو ان چیزوں پر غور کرنے کے لیے ہمیشہ مجبور کرتی رہے گی آج ہی نہیں جبکہ آپ کچھ بدلے ہیں بلکہ اس وقت بھی جبکہ آپ بالکل بدل چکیں گے اور آپ کی دنیا دوسری ہو چکے گی۔

کیوں فقط اس لیے کہ حقیقت حقیقت ہے اور حق کا اثر ہمیشہ قائم رہتا ہے آج اگر ولایتی عطر کی خوشبو گلاب کی نکہت پر غالب آکر اُسے دبا لے تو اس سے گلاب کی حقیقت پر اثر نہیں پڑتا جتنا ولایتی عطر کا اثر کم ہوتا جائے گا اتنا شمیم گل دماغ سے خراج تحسین حاصل کرتی جائے گی اس لیے کہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اور ایک وقتی ساخت کا نتیجہ آج جبکہ دنیا کا یہ عمومی مقولہ ہے کہ شاعر کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہمیں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ ہماری قوم میں دعبل جیسا شاعر بھی گذرا ہے جسنے خبیث اللسان اور قبیح الہجاء جیسے نازیبا الفاظ گوارا کر لیے مگر یہ گوارا نہ کیا کہ کردار مذہبی ہاتھ سے نکل جائے۔ دعبل بشارہ کا جیسا بدصورت اور دنیا پرست یا ابن رومی کا جیسا بدخلق یا حطیئہ کا جیسا مجہول النسب نہ تھا جو ان الفاظ کا مستحق ہوتا ہاں وہ شیعہ ضرور تھا اور ایک مستقل کردار مذہبی کا پابند تھا اس کی نظر دنیا کے عیش فانی پر نہ تھی وہ شاعری کو صرف آلۂ تفریح ہی نہیں بلکہ آلۂ تبلیغ سمجھتا تھا اس کی صداقت فکر اور عصمت تخیل اپنے مقابلہ میں کسی رعایا یا بادشاہ کی کوئی پرواہ نہ کرتی تھی۔

اس کا کام تھا شیعیت کی تبلیغ اس کا عقیدہ تھا کہ حکومت آل محمد کا حق ہے۔ مسند خلافت پر ان کے ہوتے ہوئے ان کے علاوہ جو بھی نظر آئے وہ غاصب ہے اس میں نہ مامون کی تخصیص تھی نہ ہارون رشید کی اور نہ متوکل اور معتصم کی لیکن اسے کیا کیا جائے کہ اسے اپنی سنو سال کی عمر میں انھیں بادشاہوں سے سابقہ پڑا اور اس وقت جبکہ دوسرے شعراء درباری عہدوں پر فائز ہو ہو کر شاہان مذکور کی مدح سرائی کر رہے تھے ہمارا شاعر دعبل سیرت ابوذر عمار و میثم کو زندہ کر رہا تھا وہ لسان عصر میں ہجو کہی جائے یا اور کوئی اصطلاح ہو لیکن دعبل اپنے خیال میں فریضۂ جہاد کو سہام الفاظ اور شعر کی شمشیروں کے ہتھیار لے کر پورا کر رہا تھا۔ بقول جاحظ اس نے ساٹھ سال سوائے شعر گوئی کے کسی دوسری طرف ایک لمحہ التفات نہ کیا دعبل مادر حیات کا ایک زندہ دل فرزند تھا دعبل زمانۂ ہارون رشید و مامون میں اکیلا نہ تھا بلکہ۔ ابی نواس۔ مسلم ابی تمام و بحتری جیسے شعراء اس کے ہم عصروں میں تھے۔ جو بادشاہ کا پیالہ پیے ہوئے تھے ایسے موقع پر دعبل کو جتنے بھی لقب نہ ملتے کم تھے۔ بقول غالب

دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت عشق
کام یاروں کا بقدر لب و دنداں نکلا

یہی وجہ ہے کہ مورخین عصر نے بھی دعبل کی طرف سے کافی تغافل برتا اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سنو سال کی عمر رکھنے والا شاعر جسکے متعلق جاحظ کا قول ہے کہ ساٹھ سال تک برابر شعر کہتا رہا اس کے اشعار کا بہت قلیل حصہ ہم تک پہونچ سکا ہے چنانچہ اس کے قصیدہ تائیہ کے وہ اشعار ہم نے لکھے ہیں جو یاقوت رومی نے معجم الادبا میں نقل کیے ہیں جن کے بعد وہ یہ لکھتا ہے کہ اگرچہ بعض اشعار اور بھی شیعوں نے اسکی

طرف منسوب کر دیئے ہیں جن میں کے اکثر اشعار ہم علامہ مجلسی کی بحار سے نقل کریں گے باقی غزل تشبیب کے جو جو اشعار ہم کو ملے ہیں حاضر خدمت کرتے ہیں۔

دعبل کا تعارف

کیا سچی بات کہی تھی ہمارے شاعر نے کہ شاعر و ممدوح دونوں فنا ہو جاتے ہیں مگر اشعار ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ بیشک آج دعبل ہم میں نہیں مگر اُن کے اشعار آج بھی ہمیں ان کی بلند کرداری اور عالی ہمتی کا درس دے رہے ہیں۔ آج ہمارے سامنے بلند پایہ ادیب اور باکمال شعرا اور علما سب ہی موجود ہیں مگر کم اور بہت کم ایسے ادیب اور شاعر ملیں گے جو زمانے سے ٹکر لے کر اپنی حق نوائی برقرار رکھ سکیں۔ لیکن قابل صد رشک ہیں وہ افراد جو اپنے دُبلے پتلے نحیف و لاغر جسم میں وہ مضبوط و مستحکم دل رکھتے تھے جو ہر حکومت سے ٹکر لے سکے اور زمانے کی ہر تند و تیز ہوا کے مقابلہ میں پہاڑ کی طرح اٹل رہ سکے زمانہ منھ پھیرے مگر ضمیر کی حق نوائی برقرار رہے۔ دعبل اپنے عصر کے وہ خوددار، صادق اللہجہ اور راسخ العقیدہ شاعر تھے جس نے اپنے زمانے کی ہر غاصب حکومت سے ٹکر لے کر خلیفۂ حقیقی کی مدد کی۔

دعبل کا تعلق قبیلہ بنی خزاعہ سے تھا ان کا قبیلہ اپنی کثرت افراد اور دیرینہ خدمات ملک و قوم کی بنا پر ایک مخصوص شہرت کا مالک تھا۔

دعبل کا نام و نسب مطابق آغانی اٹھارھویں جلد ص ۲۹ تا ص ۶۲ حسب ذیل تھا

آپ کا نام محمد کنیت ابو جعفر لقب دعبل تھا آپ کے پدر بزرگوار علی ابن رزین بن سلیمان ابن تمیم ابن نہشل بن خداش ابن خالد ابن عبد ابن دعبل ابن انس ابن خزیمہ ابن سلامان ابن اقصی ابن حارثہ بن عمر بن عامر ابن مزیقیا تھے

یقیناً یہ دعبل ہی کا دل گردہ تھا کہ جس نے ہارون رشید۔ مامون۔ امین معتصم جیسے متعصب عباسی فرمانرواؤں کے دور حکومت میں ایک خالص شیعی شاعر کی حیثیت سے اہل عصر پر اپنے کمال کا سکہ بٹھایا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ دعبل ہی بوستان علم و ادب کا وہ نہال آرزو تھا جس کو باد خزاں کے تند جھونکوں نے پروان چڑھایا ہو سکتا تھا کہ دعبل بھی اوروں کی طرح حکومتوں کی مدد سے اپنی دنیا بنا لیتے مگر نہیں دعبل ایک آزاد ضمیر انسان تھے جس کے پہلو میں ایک جذبات بھرا دل تھا جو اسلامی تخت پر ناروا فرمانروا اور بوریائے فقر پر حقیقی وارث خلافت کو دیکھ کر بار بار تڑپ اٹھتا تھا اور یہ جابر و ناجائز شاہان عصر کی ہجو پر مجبور ہو جاتے تھے جس کی بنا پر صاحب اغانی اور دوسرے مورخین دعبل کا خبیث اللسان جیسے رکیک و نازیبا الفاظ سے ذکر کرتے ہیں دعبل بقول علامہ اقبال (زمانہ با تو نسازد تو بازمانہ ستیز) مخالفین دین کے لیے ایک شمشیر برہنہ تھے خود دعبل کا یہ قول تاریخوں میں موجود ہے (انی احمل خشبتی) ستین سنۃ ولم احد من یصلبنی علیہا) میں ساٹھ سال تک ہتھیلی پر سر رکھے گھومتا رہا لیکن کوئی نہ ملا جو مجھے قتل کرے۔

دعبل کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے کہ جب دودمان آل محمد کی وہ فرد جو مہدی کے نام سے موسوم ہے آ کر دنیا سے باطل کو مٹا دے گی اور ہم دل کھول کے انتقام خون حسینؑ لیں گے۔ چنانچہ ایک مقام پر عالم وجد میں خود فرماتے ہیں

فیا نفس طیبی ثم یا نفس ابشری فغیر بعید کل ما ھو آت

ہاں اے نفس خوش ہو میں تجھے بشارت دیتا ہوں کہ تو جس دن کی امید میں ہے وہ بہت جلد آنے والا ہے۔

شفیت وا ھا ترک لنفسی ر زیۃ ورویت منھم منصلی وقنات

اور میں نے تو اپنے دل کو یوں مطمئن کر لیا ہے کہ اب کوئی حسرت ہی باقی نہیں میں نے اپنے نیزہ و شمشیر کو دشمن کے خون سے سیراب کر لیا ہے۔

دعبل مقام فخر میں کبھی اپنے عزیز قبیلہ کو پیش نہیں کرتے۔ بلکہ آل محمدؐ کی طرف انتساب کو ہمیشہ سرمایہ فخر سمجھا کئے۔

چنانچہ ایک مرتبہ یہ بصرہ میں بیٹھے تھے ان کا غلام ثقیف ان کے پاس کھڑا تھا کہ ایک اعرابی ریشمی کپڑے پہنے انتہائی مغرورانہ انداز میں سامنے سے گذرا دعبل نے دیکھتے ہی غلام سے بلوایا جب وہ شخص قریب آیا تو پوچھا (تو کس قبیلہ کا ہے) اعرابی نے جواب دیا (میرا تعلق قبیلہ بنی کلاب سے ہے) دعبل نے وہ اشعار جو عمر ابن عاصم کلابی کی ہجو میں لکھے تھے جن کا پہلا شعر آپ کی تفریح طبع کے لئے ہم بھی پیش کئے دیتے ہیں۔

د فیبت کلبا من کلاب یسبنی ومحض کلاب یقطع الصلوٰت

ترجمہ بنی کلاب کے ایک کتے کے برا بھلا کہنے کی مجھے اطلاع ملی اور دکتوں کا پوچھنا ہی کیا) ان کا وجود ہی نماز کو باطل کر دیتا ہے (یعنی وہ نجاست میں مشہور ہیں)

اعرابی شرم سے گردن جھکا کر چپ ہو گیا۔ اس کے بعد پوچھتا ہے (اے شخص تو کس قبیلہ سے ہے) تو دعبل بجائے بنی خزاعہ کے جو قبیلہ بجائے خود اپنی وفاداری شجاعت اور کثرت افراد کی بنا پر سارے عرب میں ایک مخصوص شہرت کا مالک تھا۔

یہ فرماتے ہیں کہ دیکھ میں اسی قبیلہ سے ہوں جس کے بارے میں شاعر کا یہ قول ہے

اذا افتخروا یوماً اتوا بمحمدٍ ۔۔۔ وجبریل والقرآن ذی السورات

اناس علی الخیر منهم وجعفر ۔۔۔ وحمزة والسجاد ذی الثفنات

(ترجمہ) ان صاحبان خیر و برکت افراد کا کیا کہنا جن میں جناب جعفر و جناب حمزہ حضرت سید سجاد جیسے عابدین ہیں یہ لوگ اگر فخر کریں تو ان کے لئے محمد مصطفےٰ سا رسول ہے جبریل سا ملک ہے اور قرآن سی کتاب ہے اسی واقعہ نے ایک طرف دعبل کی شوخ طبعی کی طرف روشنی ڈالی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظرافت ان کی فطرت میں کوٹ کوٹ کے بھری تھی اور ساتھ ہی ساتھ سب سے بڑی چیز یہ ثابت کی کہ دعبل کا تمام تر سرمایۂ فخر اگر کچھ تھا تو وہ صرف آل محمدؐ کی محبت تھی جو ان کی ذہنیت پر ہر طرف سے چھائی ہوئی تھی دعبل کی ظرافت طبع اور نزاکت مزاج اس حد پر تھی کہ ان کے ہمعصر ہمیشہ ان کی دلجوئی کی فکر میں رہا کرتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں دعبل ناراض ہو کر کچھ اشعار نہ چسپاں کر بیٹھیں چنانچہ مصنف اصفہانی آغانی کبیر کی اٹھارھویں جلد ص۴۳ پر احمد بن عباس کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ لکھتے ہیں کہ خالد ابن احمد کہتا ہے کہ ایک دن ہم چند احباب بغداد میں دعبل کے ایک پڑوسی کے گھر میں بیٹھے ہوئے تفریحی مشاغل میں مصروف تھے کہ اتفاق سے دعبل کے گھر کا ایک مرغ ہماری نشستگاہ کے صحن میں آ نکلا اور ہم لوگوں نے اُسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر بھون کھایا ظاہر ہے کہ بھلا دعبل کو اس کی اطلاع کیونکر ہو سکتی تھی مگر جیسے ہی نماز ظہر کے وقت ہمارے باپ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے تو ختم نماز

نوٹ (ذو ثفنات) وہ چند افراد جن میں جناب سید سجاد اور عبد اللہ بھی تھے ان کے یا گھٹنے درخت زیتون کے تنے ہو گئے تھے کہ درخت کے پاس دو دو ہزار رکعات نماز ان لوگوں نے پڑھی تھی (کذا فی القاموس)

کے بعد دعبل نے تعقیب میں انتہائی بلند بانگی سے مرغ چرانے والوں کی شان میں اچھے خاصے اشعار سنا ڈالے اور مسجد کے نمازی بڑی تمسخر آمیز نگاہوں سے میرے والد کو دیکھنے لگے وہ فوراً مسجد سے گھر میں قدم رکھتے ہی مجھ پر برس پڑے کہ تم نے ناک کٹوا دی دعبل کے مرغ کے علاوہ آپ کو کہیں سے نصیب نہ ہوا بالآخر میں نے اور میرے والد نے تمام محلے سے مرغ خرید کے دعبل کی خدمت میں مع ایک معذرت نامے کے بھیجے جس کے بعد کہیں دعبل کی ناخوشی رفع ہو سکی۔ یہ واقعہ دعبل کو بدزبان اور بدگو کا لقب دینے والے مورخ کی کتاب میں بیان ہوا ہے خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دعبل اتنی چھوٹی چھوٹی سی خطاؤں پر بھی اپنی ہجو گوئی کی حد نافذ کر دیتے تھے اور یہ صحیح بھی ہے کہ کیوں دعبل کو خواہ مخواہ کے لیے آلہ تمسخر بنا کر ان کا نقصان کیا جائے۔

علوی نظامِ حکومت اور اسکے اساسی تصورات
سے قبل
دار الاشاعت اسلامی کا
دوسرا (۲) شاہکار
تبلیغی ذاکری کے چودہ (۱۴) مسودوں کا بہترین مجموعہ ضرور طلب کیجئے

دعبل کی تربیت گاہ

عرب کا یہ فقید المثال عقیدہ کا پکا ضمیر کا سچا شاعر جس کی شاعری نے ایک قرن تک عرب کے گوشہ گوشہ کو اپنی شاعری کے جوشیلے نغموں سے پر آواز کردیا تھا سنہ ۱۴۸ھ میں جو امام جعفر صادق کا سنہ شہادت تھا بر مشہور کوفہ کی سرزمین پر پیدا ہو کر اپنے باپ علی ابن رزین خزاعی جیسے مشہور شاعر کی زینت آغوش بنا۔ دعبل کی عمر کا اکثر حصہ کوفہ و بصرہ میں گذرا اور یہی دونوں مقام تھے جنھیں دعبل کے مولد و تربیت گاہ ہونے کا فخر حاصل ہے کوفہ اور بصرہ یہ دونوں مقام ہمیشہ علم و ادب کا مرکز رہے۔ حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں جب کوفہ دارالسلطنت قرار پایا تو دونوں شہروں میں خاص فرق ہو گیا۔ بصرہ شعراء اہل کلام اور عموم اعراب کا مرجع ہو گیا اور کوفہ دارالحکومت ہونے کی بنا پر گوناگون نزاعوں اور مختلف الخیال ذہنیتوں کی آماجگاہ بن گیا۔ یہی خوارج کی قیام گاہ اور شیعان علیؑ کی جائے پناہ تھا علمائے فقہ و حدیث کی کثرت تھی۔ اور یہیں سے بنی عباس نے اپنا اقتدار قایم کرنے کے لئے بنی امیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اپنی حکومت کی طرف لوگوں کو آمادہ کرنا شروع کیا انھیں زہریلی فضاؤں میں ایک طبقہ آزاد خیال افراد کا پیدا ہوا جو مذہب کی قید و بند سے آزاد تھا۔

جس شاعر یا ادیب کو کہیں ترقی کا راستہ نہ ملتا تھا وہ کوفہ آکر قیام کرتا تھا۔

ایام جاہلیت میں بھی کوفہ ہی مشاہیر شعراء کی جولانگاہ رہا۔

یہیں بنی امیہ کے فرمانرواؤں نے شیعان اہلبیت پر من مانے مظالم کئے۔ اور

یہیں سے حسرتِ انتقام خونِ حسینؑ کی چنگاری نے بھڑک کر اموی حرمنِ حکومت کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔ یہیں سے بنی عباس نے انتقام خون حسینؑ کا ڈھونگ رچا کر حکومت حاصل کی اور یہیں بعد میں حسینؑ کے چاہنے والے چن چن کر قتل کیے گئے کوفہ کی سرزمین انقلاب خیز اور فضا انقلاب پرور تھی اس کے باوجود کوفہ اور بصرہ دونوں مقام قبلۂ اہل فکر اور مرکزِ اہل نظر رہے۔ انھیں دونوں مقامات میں قبیلۂ نزاریہ (جو اموی ذہنیت کا طرفدار تھا) اور قبیلۂ قحطانیہ (جس کی گھٹی میں ولائے آل محمدؐ پڑی تھی) ان دونوں کے یادگار مناقبات کی گرم بازاری رہی اور دونوں قبیلوں کے شعرا اپنے اپنے یادگار عصر فخریہ قصائد کے ذریعہ باہمی مفاخرت کرتے رہے یہیں ابی نواس سے شاعر اور اس کے ہمعصروں میں لاگ ڈانٹ رہی اور یہیں ہمارے نقطۂ نظر شاعر دعبل اور ابی سعد مخزومی سے شاعرانہ چوٹیں چلتی رہیں دورِ عباسی میں چونکہ دار السلطنت بغداد تھا اور کوفہ دروازہ ہے بغداد کا لہٰذا جو شاعر بھی بادشاہ کا قصد کرتا تھا وہ کوفہ ہو کر گذرتا تھا یہانتک کہ خود بادشاہ ولیعہد کی تعلیم و تربیت کیلئے کوفہ ہی سے علماء و فضلاء کا انتخاب کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے گہوارۂ علم میں پرورش پاکر ہمارا شاعر جتنا ترقی نہ کرتا وہ کم تھا دعبل انھیں رنگا رنگ فضاؤں کی نیرنگی کا ایک شاہکار اور اسی افق انقلاب کا ایک جگمگاتا ہوا ستارہ تھا۔ منقلب فضاؤں میں مستقل اور بدلتی ہوئی دنیا میں رہ کر نہ بدلنا دعبل ہی جیسے بلند کردار کا کام تھا۔

دعبل کا کردار

دعبل کی فنی حیثیت ہی صرف ان کی ترقی کا موجب نہ تھی اگرچہ جاحظ ابی نواس

مسلم ابی تمام جیسے شہرہ آفاق ادبا و شعراء کے عصر میں دعبل کی شاعری کا پروان چڑھنا یہ خود ان کے کمال فن کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ مگر میری نظر میں دعبل کو دعبل بنانے والی اگر کوئی چیز تھی تو وہ ان کے ضمیر کی سچائی عقیدہ کی پختگی اور آل محمدؐ سے قلبی محبت تھی جو ان کے اشعار کے ہر ہر مصرع اور مصرعہ کے ہر ہر لفظ میں روح بن کے دوڑ رہی تھی آج کی دنیا کمال فن کے ساتھ جذبۂ اصلاح اور سچائی ضمیر کا پہلے جائزہ لیتی ہے۔ اسلامی دنیا میں علامہ اقبال بحیثیت کمال فن کے اتنے مشہور نہیں جتنا انکا جذبۂ اصلاح قومی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

میر انیس و مرزا دبیر علیہما الرحمہ فرید عصر و وحید روزگار رہے مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ولائے آل محمدؐ کے جذبے نے ان کی شاعری میں چار چاند لگا دیئے آج کے موجودہ دور میں جبکہ ہمارے یہاں مقدس علماء ہی نہیں بلکہ معزز واعظین و دیگر صاحبان کمال کثرت سے موجود ہیں پھر بھی جب کسی محفل میں شرکت کیجئے اور علما کا ذکر سنئے تو بخدا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کے عصر قریب کے وہ گوشہ نشین و خاموش علماء جنھیں نے ممبروں پر بیٹھ کر انتہائی سادگی سے اہم مسائل سمجھائے یا کتبخانوں کی سرزمین پر رہ کر اہم اور پائیدار علمی خدمات چھوڑے خدا جانے ان مصلحان ملت نے کس طرح قوم کے دلوں کو موہ لیا تھا کہ آج بھی ان کے نام کے سامنے جبین دل سجدہ کناں نظر آتی ہے درحقیقت عصر حال و ماضی کے اس بیّن تفاوت کا راز یہی ہے جو ہم نے سطور بالا میں بتایا سیم و زر کی چمک دمک کے سامنے نفس کا اپنے بھرم کو برقرار رکھنا ہی نفس کا سب سے بڑا جہاد ہے اسی لیے آج عالم تشیع کو دعبل پر جتنا بھی فخر ہو وہ کم ہے بحیثیت ایک شاعر کے دعبل نے جو بلند کردار اپنے عقیدے کی پختگی کا پیش کیا ہے وہ یقیناً دنیا کے لیے ایک ناقابل فراموش سبق ہے۔ دعبل کا قبیلہ خود بھی ہمیشہ خاندان رسالت سے ایک ممتاز قسم کی محبت میں مشہور رہا ہے دعبل ہمیشہ زندہ رہیں گے

دعبل کی اقتصادی حالت

دعبل ایک شاعر باکمال لیکن ایک غریب باپ علی ابن رزین خزاعی کی فاقہ کش اولاد تھے علی ابن رزین انتہائی غربت میں بسر کیا کرتے تھے ظاہر ہے کہ اس ماحول میں دعبل نے بارہا فاقہ کشی و بیچارگی کی زحمتیں برداشت کی ہوں گی لیکن کسی کو کیا معلوم تھا کہ علی ابن رزین کا یہی غربت زدہ نوخیز بچہ جو فاقوں میں کبھی مسلم جیسے شاعر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے بیٹھا ہے اور کبھی اہل کوفہ کے علمی مجالس میں والہانہ شغف سے شرکت کر رہا ہے اور کبھی شعراء کی بزموں میں بیٹھ کے ان کے کمالات کو گہری نظروں سے دیکھ رہا ہے اس کے لئے ایک وہ دن بھی آنیوالا ہے جب اس کی شاعری کا پرچم عرب کے مشاہیر شعراء کے سروں پر لہراتا ہوگا اور حکومتیں دعبل کو اپنانے کے لئے للچائی نظروں سے دیکھتی ہوں گی زمانے کے لیل و نہار گذرتے رہے اور شباب کی رعنائیاں دعبل کے استقبال کو بڑھتی رہیں یہانتک کہ عہد طفلی کی سرحد میں نوجوانی کے جذبات نے اپنی عملداری شروع کردی تغافل طفلانہ کی جگہ جیتے جاگتے جذبات نے لیلی کون شاعر ہے جو اپنے قصیدہ میں تشبیب نہیں کہتا مگر دعبل کی تشبیب تھی کہ ساز شباب سے نغمے پھوٹ نکلے تھے فطری صلاحیتوں نے کیف رنگ و بو کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت ہی جلد دعبل کا آوازہ شاعری کوفے و بصرے کی ادبی محفلوں میں گونجنے لگا نفسیاتی کیفیات و قلبی واردات کی منظر کشی کون نہیں کرتا مگر دعبل کی طرز ادا و سادگی زبان کا انداز ہی کچھ اور تھا اگر ایک طرف ادبی حلقے خیر مقدم کو بڑھتے تو دوسری طرف عنا کے شوقین دعبل کے قصائد کی تشبیب لے اڑے یہانتک کہ ان کے اشعار خالص ادبی محفلوں سے نکل کر گلی کوچوں

میں ہر خاص و عام کی زبان پر رچ گئے۔ دعبل کے شعر کے سلسلے میں عبداللہ ابن طاہر
خزاعی کی روایت ہے کہ دعبل کے استاد مسلم بھی دعبل ہی کی طرح فاقہ کش تھے چنانچہ ایک ہی
لباس تھا جو جسم کی حفاظت کے لئے کبھی دعبل پہنتے تھے اور کبھی باہر نکلنے کے موقع پر انکے
استاد مسلم پہن لیتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کوفہ شعراء و علماء سے چھلک رہا تھا۔
جاحظ۔ مسلم۔ ابی نواس، ابی تمام، بحتری جیسے روشن ستارے افق شاعری پر جگمگا
رہے تھے۔ ذوق عنا۔ ذوق شاعری، اور دیگر ادبی محافل اپنے پورے شباب پر تھے
اسی دور میں دعبل و مسلم دونوں استاد شاگرد ایک سی زندگی گذار رہے تھے بلکہ جہاں تک
تحقیق سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کی عمروں میں بھی بہت زیادہ فرق نہ
تھا اگرچہ مورخین نے مسلم کے مقابلہ میں دعبل کے لئے غلام کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے
معنی زیادہ سے زیادہ طفل نوخیز کے لئے جا سکتے ہیں ۲۰۲ھ میں وزیر مامون فضل ابن
سہل نے ایک موقع پر مسلم کو بوڑھے کے لفظ سے مخاطب کیا ہے (یعنی کھل) کہا ہے
اور اس زمانہ میں دعبل کی عمر ۴۳ سال کی تھی لہذا اس سن میں اگر دعبل بوڑھے نہ بھی کہے
جائیں تب بھی ادھیڑ ضرور تھے بہر حال دونوں قریب قریب ہم سن ہی تھے کچھ سال کا
فرق تھا۔ ان دونوں کی تنگدستی کے سلسلے میں ایک واقعہ اور انتہائی عبرت خیز نظر آتا ہے
دونوں کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا اور دونوں انتہائی محتاج تھے کہ ایک مرتبہ ایک ادبی
محفل میں شرکت کے لئے مجبور کئے گئے دونوں بالکل تہیدست جائیں تو کیونکر جائیں
دعبل نے سوچا کہ چلیں مسلم کے گھر چل کر کچھ خرچ کے لئے آئیں جب دعبل یہاں پہونچے
تو دیکھا کہ مسلم فاقہ سے ہیں اس وقت ان دونوں نے ملکر ایک رومال بیچا اور اسکے داموں
سے اخراجات فراہم کرکے اس بیچارگی سے دونوں اس محفل میں شرکت کے قابل ہوسکے

... وقف مقتبہ ...

دعبل اور مسلم صرف ادبی مشغلوں ہی میں ایک دوسرے کے شریک نہ تھے بلکہ فقر میں بھی ایک دوسرے کے سہیم تھے اس پر مورخین متفق ہیں کہ مسلم کو دعبل کے استاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اگرچہ فنی حیثیت سے دونوں کے اسلوب کلام میں فرق ہے۔ دعبل کی شاعری صنایع بدایع اور دوسرے تکلفات سے بری ہے اور مسلم کے یہاں صنایع اور بدایع کے تکلفات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

ایک افسوسناک حقیقت

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اسلام کے صدر اوّل سے لیکر اس وقت تک قوم شیعہ اپنی غربت اپنی اقلیت اور زمانہ کی ناسازگاری کی بنا پر ہمیشہ مظلومیت کی زندگی گزارتی رہی اور طرح طرح کے مظالم کا شکار ہوتی رہی مخالف حکومتیں ہمیشہ پائمال کر دینے کی فکر میں رہیں اور اس کے علوم و کمالات کی شمعیں زیادہ سے زیادہ تاریکی پاکر اور بھی زیادہ ضوباری کرتی رہیں اور زمانہ ساز مورخین وہ بادل ناخواستہ ہی سہی ایک حد تک اعتراف پر مجبور ہوتے رہے یہی وجہ ہے کہ دعبل کے سلسلہ میں خواہ خطیب کی تاریخ بغداد ہو۔ یا اصفہانی کی آغانی کبیر یا یا یاقوت رومی کی معجم الادباء یا کامل مبرد بہر حال دعبل کا ذکر شروع کرتے وقت مذہبی تعصب کا جذبہ انکو دعبل کے لئے ان کی شان سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کر دینے پر مجبور کر دیتا ہے چنانچہ خطیب تاریخ بغداد کی آٹھویں جلد ص ۳۸۲ رقم ۴۴۹۰ پر دعبل کا ذکر یوں شروع فرماتے ہیں کان خبیث اللسان وقبیح الھجاء اور یہی حال آغانی کبیر کی اٹھارہویں جلد میں مصنف اصفہانی کا ہے موصوف نے تو دعبل کے صرف الخفیہ حالات کو لکھا ہے جبکہ وہ

ان کے کسی خلیفہ کے دربار سے وابستہ پائے گئے اور اس میں بھی جہاں جہاں دعبل اپنے جذبہ شیعیت سے مجبور ہو کر غاصب فرمانرواؤں کے خلاف ہجو کرتے ہوئے ملے ہیں وہاں صاحب آغانی نے دعبل کی ہجو منثر میں لکھنا اپنا فرض منصبی سمجھا ہے۔ دعبل کے اشعار کا اکثر حصہ تاریخ محفوظ نہ کر سکی جسکی بناء پر ہمیں صرف دعبل کے چند گنے چنے قصیدے یا کچھ متفرق اشعار ہی دستیاب ہو سکے ہیں۔

دعبل کی علمی قابلیت

مورخین لکھتے ہیں کہ علی ابن رزین خزاعی کا ہونہار فرزند دعبل اپنی صغر سنی ہی کے زمانے سے تحصیل علوم و فنون میں مشغول رہا اگرچہ ان کے بچپن کے حالات ہم تک نہیں پہونچ سکے پھر بھی چونکہ یہ ہارون رشید کی خلافت کا زمانہ تھا علوم و فنون اپنے شباب پر تھے اور یہ دستور عمومی طور پر رائج تھا کہ شعراء پہلے درسی علوم میں کمال حاصل کرتے تھے اس کے بعد فن شاعری کی طرف اپنی کمال توجہ مبذول کرتے تھے چنانچہ جس طرح ابو تمام اور ابی نواس وغیرہ کی ابتدائی زندگیاں علوم کی تحصیل میں گذریں اور اس کے بعد شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسی طرح دعبل بھی ابتداً تحصیل علوم کے شوق میں دیگر علماء اور خصوصاً علمائے حدیث کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے رہے یہانتک کہ ان کے بھتیجے نے ان کی طرف روایات حدیث بھی منسوب کرنا چاہی ہیں۔ صاحب تاریخ بغداد کا قول ہے کہ انتساب روایات میری نظر میں محقق نہیں ہے۔

دینی کتب کا بہترین ذخیرہ دارالاشاعت سے طلب فرمایئے

غریب دعبل خلعت شاہی میں

زمانہ بدلتے دیر نہیں لگتی ہم نے شروع مضمون میں بتایا تھا کہ آمد شباب کی نوخیزیوں نے دعبل کو عشقیہ شاعری کی طرف مائل کر دیا تھا اور موسیقی نواز سامع دعبل کی شاعری کو خصوصی طور پر پسند کرتے تھے چنانچہ اس عصر کے مشہور مغنی ابن جامع اور ابن مکی جیسے افراد جو ہارون رشید سے مخصوص وابستگی رکھتے تھے بلکہ درباری گویئے تھے ان کو دعبل کے اشعار سے خاصہ شغف تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ ہارون رشید جیسے نقاد فن کے سامنے دعبل کے کچھ اشعار جو ایک قطعہ کی شکل میں تھے جن میں کے دو ایک شعر ہم بھی پیش کرتے ہیں ۔

این الشباب وایۃ سلکا۔ لا این یطلب ضل بل ھلکا۔ لا تعجبی یا سلم من رجل ضحک المشیب براسہ فبکا۔ یا سلم ما بالشیب منقصۃ۔ لا سوقۃ یبقی ولا ملکا

لا تاخذوا بظلامتی احدا　　قلبی وطرفی فی دمی اشترکا

ترجمہ۔ کہاں ہے وہ شباب اور کدھر گئی وہ جوانی جو اب ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی یقیناً فنا ہو گئی اے مخاطب اس شخص کو تعجب سے نہ دیکھ کہ جس کے سر پر بڑھاپے کی سفیدی مسکرائے اور وہ رو دے بڑھاپے کا آنا (اور شباب کا جانا) کوئی عیب کی بات نہیں ہے (دنیا کی ہر شئی کو فنا ہے) نہ رعایا باقی رہے گی اور نہ بادشاہ ۔ (اے دوستو) میرے قتل کا مجرم نہ اکیلی آنکھ ہے اور نہ تنہا دل بلکہ آنکھ اور دل دونوں میرے قتل میں شریک ہیں ۔ صاحب آغانی لکھتے ہیں کہ جب ہارون رشید نے یہ اشعار سنے تو متحیر ہو کر پوچھا یہ کس کے اشعار ہیں لوگوں نے کہا (غلامٌ شاعرٌ فی خزاعہ) دعبل ابن علی نام کے ایک صاحبزادے بنی خزاعہ میں ابھرے ہیں یہ ان کے اشعار ہیں ۔

ہارون رشید نے فوراً دس ہزار درہم ایک شاہی خلعت اور ایک اپنے خاص اصطبل کا گھوڑا حاضر کرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد اپنے ایک مخصوص خادم سے بلا کے کہا کہ یہ چیزیں قبیلہ بنی خزاعہ میں لیکے جاؤ اور وہاں دعبل ابن علی کو دریافت کر کے یہ چیزیں انھیں دے دو اور کہنا کہ اگر دل چاہے تو چلئے اور اگر وہ نہ آئیں تو مجبور نہ کرنا۔

خادم شاہی نے تعمیل فرمان شاہی کرتے ہوئے تمام انعامات دعبل کو سپرد کر کے اطلاع دی کہ دربار شاہی میں آپ کو بادشاہ یاد فرماتے ہیں۔ دعبل چلنے پر تیار ہوئے اور جب خادم کے ہمراہ دربار شاہی میں پہونچے تو ہارون نے باعزاز تمام بیٹھنے کا حکم دیا اور خواہش کی کہ کچھ اشعار سنایئے دعبل نے کچھ اشعار پڑھے ہارون کو وجد آگیا اور اسی وقت دعبل کو درباری شاعروں میں داخل کر کے ایک معقول قسم کی تنخواہ معین کر دی۔

یہ تھا صاحب آغانی جیسے مورخ کی عبارت کا بلفظہ ترجمہ

صاحب آغانی کا دعبل کو غلام کے لفظ سے ذکر کرنا یعنی (لڑکا) کہنا کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ دعبل سنہ ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ہارون رشید کی بیعت سنہ ۱۷۰ھ میں ہوئی ہے اس اعتبار سے دعبل کا سن بیعت رشید کے وقت کل ۲۲ سال کا ہوتا ہے۔ اور نیز یہ کہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ دعبل اس طلبی کے قبل کبھی دربار رشید میں گئے ہوں لہذا ان کے لئے غلام کا لفظ سوائے جذبۂ تحقیر کے کوئی اور معنی نہیں رکھتا جبکہ تقاضائے محل خود پکار کے کہہ رہا ہے کہ یہ تعظیم رشید جیسے بیدار مغز سے ایک لڑکے کے لئے کبھی نہیں جچتی خصوصاً جبکہ جاحظ ابی نواس و مسلم جیسے بڑے شعراء دربار میں موجود ہوں اور اگر ہم بہ پاس خاطر مصنف اصفہانی اسے صحیح مان بھی لیں کہ دعبل واقعاً لڑکے ہی سے تھے جو ایک خلاف واقعہ چیز ہوگی تب بھی ہم کو یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ دعبل اپنی کمسنی ہی میں وہ حیرت انگیز کمال پیدا کر چکے تھے جس

کے سامنے مسلم و ابی نواس جیسے بلند پایہ شعرا بھی نہ ٹھہر پاتے تھے۔

ہارون رشید اور دعبل

آج ہمارا وہی مفلوک الحال دعبل جو کبھی فاقہ پر فاقہ کیا کرتا تھا جو اپنے استاد مسلم کے کپڑے پہن کر باہر نکلنے کے قابل ہوتا تھا جس نے کل رومال بیچ کر کچھ درہم اخراجات کے لئے فراہم کئے تھے آج رشید کے دربار میں لباس فاخرہ پہنے اپنے ہمعصر شعراء اور معزز اراکین دربار کے پہلو سے پہلو ملائے کلاہ افتخار ماتھے پر کج کئے نہایت شان سے ہارون رشید کے روبرو نظر آرہا ہے دعبل کو یہاں صرف اپنے کمال ہی پر ناز نہیں ہے بلکہ دعبل کو فخر ہے کہ وہ اس وقت بنی خزاعہ کی ذہنی قوت ادبی ذوق فطری شجاعت اور قدیمی حُبّ اہلبیت ان تمام چیزوں کی بیک وقت نمائندگی کر رہا ہے یہ حقیقت ہے کہ جس طرح دعبل کا اسلوب کلام اپنے استاد مسلم سے الگ تھا اسی طرح ان کی خودداری عکس انکار رکھتا وہ بھی مسلم سے بالکل جداگانہ تھا ان کی نظریں ہارون رشید کے رعب دار چہرے پر پڑ کے جھکتی نہیں ان کی زبان ان کے ضمیر کی طرح باطل کی مخالفت میں ذرا نہیں جھجکتی بلکہ رشید خود دعبل کی دل جوئی کرنا چاہتا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ دعبل ایک ایسے قبیلہ کی فرد تھے جس کی طرف نگاہ شاہی لطف و کرم کے سائل کی طرح پڑا کرتی تھی جس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے مختصر یہ ہے کہ طاہر ابن الحسین ان کی اولاد دین مطلب ابن عبد اللہ اور دوسرے تین دولت عباسیہ اسی شجرہ نسب کی شاخیں تھیں۔ جس کا ایک مہکتا ہوا پھول خود دعبل بھی تھے۔ اس امر میں کون شک کر سکتا ہے کہ بچپن میں شاعری کا خوگر عالم شباب میں درباری شاعر ہو کر نجانے کتنے اشعار کہہ چکا ہوگا

مگر مجھے یا تو اپنی کوتاہی نظر یا زمانہ ساز مورخین کی دعبل سے بے التفاتی ان دونوں میں سے ایک کو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ آج دعبل کے وہ اشعار جو انہیں نے دربار رشید میں لکھکر کہے اور پڑھے ہمکو دستیاب نہ ہو سکے سوائے چند متفرق اشعار کے جو کسی مکمل قصیدہ کی تشبیب معلوم ہوتے ہیں۔

دعبل کی ہجوگوئی جہاد حق تھی

عبداللہ ابن طاہر کا اعتراض بیجا ہے

اس دور میں جبکہ دعبل شاہانہ نوازشوں کا مرکز فیض بنے ہوئے تھے انہیں نے اس وقت بھی اپنے نفس کو ضمیر کشی کی ملامت کا ہدف نہ بننے دیا اور حق کے معاملہ میں غضب شاہی کی بالکل پرواہ نہ کی چنانچہ وہ دور جبکہ آل برامکہ کے دیوان محل اور مقتول وزراء کی بے بسی و بیکسی انقلاب زمانہ کی داستان دہرا رہی تھی آل برامکہ کی مدح میں لمبے چوڑے قصیدے پڑھنے والے یوں چپ بیٹھے تھے کہ کوئی ایک لفظ بھی آل برمکہ کی نیکی کے متعلق نہ کہہ سکتا تھا کس سرفروش جانباز میں یہ دم تھا کہ وہ آل برامکہ کا مرثیہ لکھکر اپنے دائمی عیش کیا بلکہ جان تک پر کھیل جائے کوئی نہ ہو مگر ہمارا شاعر دعبل تھا جس بقول علامہ مسعودی آل برامکہ کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے جو ہم کو مل سکا ہے اور جسے مسعودی نے مرثیہ کہا ہے۔ الم تری صرف الدھر فی ال برمکٍ وفی ابن نھیک والقرون التی تخلو۔

دکیا تجھے یہ زمانے کا انقلاب نظر نہیں آتا کہ کیونکر آل برامکہ اور تیرے دوسرے امثال کے ساتھ منقلب ہوتا رہا ہے) اہل فکر و نظر آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جب

دعبل غیر متعلق افراد کے سلسلے میں اپنے ضمیر کی آواز کو نہ دبا سکے تو بھلا وہ جذبۂ حق نوائی اور آل محمدؐ کی محبت جو بچپن سے دعبل کی گھٹی میں پڑی تھی جو دل کی گہرائیوں میں رہتے رہتے رگ حیات بن چکی تھی جس کی قیمت اہل نظر جان سے زیادہ گراں سمجھتے تھے ۔ جس نے ابوذر کو زبدہ میں قوی دل اور میثم تمارؒ کو سولی پر متبسم رکھا وہ بھلا دعبل جیسے بلند کردار کے دل میں رہ کر کب خاموشی گوارا کر سکتی تھی وہ اسی طرح قلب دعبل میں معجزۂ ہمت بنی ہوئی شاہان عصر کے سطوت و جبروت کا مقابلہ کرتی رہی ۔

لہذا عبد اللہ ابن طاہر کا یہ الزام دینا کہ دعبل بہت ہجو کہتے تھے ۔ یہاں تک کہ ہارون رشید کو بھی اس کی زندگی ہی میں بغیر ہجو کے نہیں چھوڑا اور اس کی تائید میں دعبل کے قصیدۂ رائیہ کے اشعار پیش کرنا سراسر انصاف کا خون کرنا ہے جس پر ہم ابھی ایک تفصیلی نظر ڈالینگے جس سے موقر ناظرین اچھی طرح سمجھ لیں گے کہ دعبل ہجو کیوں اور کب کہتے تھے اور دراصل وہ ہجو ہی ہوتی تھی یا حق کی راہ میں ایک پائندہ جہاد ہوتا تھا ۔ ایسا جہاد جو ہر صدی میں ادب لطیف بنکر جریدہ عالم پر مہر دوام کی طرح ثبت ہو جائے ۔

العلم آپکا قومی پرچہ ہے ضرور پڑھئے

دعبل و ابوذر ایک جادہ کے رہرو تھے

نور و ظلمت کا ازل سے چولی دامن کا ساتھ ہے کفر و اسلام کی نزاع قدیمی ہے حق و باطل کی معرکہ آرائی ہمیشہ سے چلی آتی ہے خیر و شر کا جھگڑا کوئی نیا نہیں ہے حسینیت و یزیدیت ایک زمانے سے دست و گریباں ہیں حق کی طرفداری میں اہل باطل سے نفرت حق پسندوں کی خوئے قدیمانہ ہے۔

زمانہ اگر ہمیشہ سے حق آزار ہے تو ہوا کرے حق نوائی ایک مستقل حقیقت ہے جو ہر دور میں پاک فطرتوں کے ساز سے نکل کر فضا میں پھیلتی رہی ہے۔

جس طرح باطل اپنی حق آزاری میں کسی خاص تدبیر و مخصوص آلات کا پابند نہیں رہا کبھی زہر کبھی تلوار کبھی جبر کبھی قوت و غلبہ کا مظاہرہ کرتا رہا اسی طرح اہل حق اپنی تلخ نوائی میں بھی کسی مخصوص طرز عمل کے پابند نہیں رہے، قربانی کی منزل آئی تو سر ہتھیلی پر رکھ کے بڑھے، دولت نثار کرنے کا موقع دیکھا تو ناموس کے سروں کی چادر تک دیدی، اور آزادی قربان کرنے کا موقع دیکھا تو قید خانے قبول کر لئے، رزم میں جہاد کا موقع آیا تو تلوار اٹھالی، بزم میں جہاد کی منزل دیکھی تو سیف زبان کی پرورشیں دکھائیں، نثر کا موقع دیکھا تو نثر اور نظم کا محل ہوا تو نظم میں۔

دعبل و ابوذر ایک جادہ کے رہرو تھے، ابوذر نے نثر میں جہاد زبان کا فریضہ ادا کیا اور دعبل نے حدود نظم میں لسانی معرکہ آرائی دکھائی - کہاں کا انصاف ہے کہ ہم ایک کو مجاہد اور دوسرے کو ہجو گو کہیں۔

دعبل نے اپنا ایک قصیدہ جس میں ہارون رشید کی ہجو کہی ہے وہ ہارون رشید کی زندگی میں نہیں بلکہ اس کے بہت بعد میں کہا ہے جیسا کہ ان کے کلام سے خود واضح ہے، دوسرے یہ کہ یہ قصیدہ مدح آل محمد میں کہا گیا ہے اور دعبل ساقیٔ آل عبا اگرچہ شاعر تھے مگر راسخ العقیدہ تھا اسکا عقیدہ تھا کہ حق حکومت خلافت اسلامیہ آل محمدؐ اور صرف آل محمد ہیں ان کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص خلیفہ اسلام کہلائے تو وہ غاصب ہے ۔

واقعہ یوں ہے کہ ہارون رشید خراسان جا رہا تھا شہر طوس میں پہنچ کے اچانک انتقال کر گیا اور وہیں دفن کر دیا گیا، اور یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ مامون ابن رشید جب بغداد واپس آنے لگا ہے تو اس موقع پر اسے امام علی رضاؑ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا اس نے اسی موقع پر امام کو خفیہ طور پر زہر دیکر شہید کر ڈالا، اور اسی طوس میں خاص مقبرۂ شاہی کے اندر جہاں ہارون رشید کی قبر تھی اس کے پاس امام کو دفن کرا دیا امام کے اٹھتے ہی دینی رونقوں کے ساتھ وقار تخت شاہی بھی رخصت ہو گیا، اس شمع مجسم کے اٹھتے ہی ساری رنگینیاں بھی اٹھ گئیں ادھر شمع حقانیت بجھی اور ادھر مامون حیرت وضلالت کی تاریکی سے گھٹ گھٹ کر چاروں طرف ہاتھ پیر مارنے لگا کبھی سبز لباس جو بنی ہاشم کا رنگ پوشاک تھا وہ پہنا اور کبھی اپنے اجداد کی تقلید میں سیاہ پوش رہنے لگا کوکب اقبال جھلملا جھلملا کے غروب ہونے لگا اور نحوست ادبار کی تمہید کالے کالے لباس کی صورت میں جسموں پر نمودار ہونے لگی ملک میں چاروں طرف بد امنی کے آثار رونما ہو گئے تمام شیعوں میں ایک عظیم ہیجان برپا ہو گیا جب عالم شیعیت سارے کا سارا مامون کی اس متلون مزاجی پر برہم تھا تو دعبل کہاں کے گئے گذرے تھے کہ انھیں جوش نہ آتا چنانچہ اسی عصر میں وہ قصیدہ رائیہ کہا گیا ہے جس کا حوالہ

عبداللہ ابن طاہر نے دیا تھا اس قصیدہ کے چند اشعار ہم بھی پیش کرتے ہیں۔

ولیس حیّ من الاحیاء نعلمہ . من ذی یمان و من بکر و من مضر

الا و ہم شرکاء فی دمائہم . کما تشارک ایسار علی جزر

قتل و اسر و تحریق و منہبۃ . فعل الغزاۃ بارض الروم والخزر

اری امیۃ معذورین ان قتلوا . وما اری لبنی العباس من عذر

ابناء حرب و مروان و اسرتہ . بنو معیط و ولاۃ الحقد والوغر

قوم قتلتم علی الاسلام اولہم . حتی اذا استمکنوا جازوا علی الکفر

ان اشعار کا مختصراً خلاصہ یہ ہے کہ خواہ قبیلۂ ذی یمان ہو یا بکر ہو یا مضر ہو کوئی ایسا نہیں کہ جس نے آل محمدؐ کے خون میں ہاتھ نہ رنگین کئے ہوں خوب دل کھول کے قتل و غارت کیا خیر بنی امیہ کے لئے خواہ وہ حرب کی اولاد ہوں یا مروان اور اس کے خاندان کی فرد ہیں یہ لوگ تو ہمیشہ سے کینہ پرور اور دشمن تھے ہی لیکن بنی عباس کے لئے تعجب ہے کہ کیونکر اپنے چچازاد بھائیوں پر اتنے سخت مظالم روا رکھے، بنی امیہ تو وہ قوم ہے جس کے اگلوں کو خود انھیں نے اسلام کے نام پر قتل کیا اور اب جب ان کو حکومت ملی تو یہ خود کافر ہو گئے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

اربع بطوس علی قبر الزکی اذا . ما کنت مرتبعاً من دین علی وطر

قبران فی طوس خیر الناس کلہم . و قبر شرہم ہذا من العبر

ما ینفع الرجس من قرب الزکی ولا . علی الزکی بقرب الرجس من ضرر

ہیہات کل امرء رہن بما کسبت . یداہ فخذ ما شئت او فذر

(ترجمہ) اے مخاطب اگر تو دین کا تھوڑا سا بھی تصور کرے تو طوس میں امام رضا کی قبر کو یاد کر اور دیکھ تو کتنا عبرت خیز مقام ہے کہ سارے عالم سے برتر فرد کی اور دنیا بھر سے بدتر ذات کی قبر دونوں ایک ہی جگہ ہیں حالانکہ نہ تو امام کی طہارت مرقد ہارون پلید کی نجاست قبر کو دفع کرے گی اور نہ اس کی نجاست مزار امام کی طہارت مرقد کو نقصان پہنچائے گی اور دنیا تو دار عمل ہی یہاں جس کا جی چاہے نیکی حاصل کرے اور جو چاہے برائی بیچے)

یہ تھی دعبل کے ضمیر کی آواز جو اس کے ساز عقیدت سے نکل نکل کر باطل سوزی اور حق سازی کی فضا پیدا کر رہی تھی جسے مورخین ہجو ہجو پکار رہے ہیں۔

شخصیت و کردار کا فرق

جس طرح انسان کے مختلف اعضاء میں جسم ہونے کے لحاظ سے کوئی امتیاز نہیں اسی طرح نوع انسانی میں بحیثیت ایک فرد نوع ایک انسان دوسرے انسان کے مقابلہ میں کوئی فخر نہیں کر سکتا لیکن جس طرح ہئیت کی تبدیلی کے ساتھ کام کے فرق نے ایک ہی جسم کے چند اعضا کو مختلف نام و درجے دے رکھے ہیں اسی طرح نوع انسانی میں شکل و صورت کیساتھ کردار کی تبدیلی نے ایک نوع کے متعدد افراد میں مخصوص امتیاز و فرق مراتب قائم کر دیا ہے۔ یعنی جس طرح ہاتھ پیر کان و ناک۔ وغیرہ دل و دماغ کی برابری نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جاہل، کاذب متملق انسان۔ عالم صادق اور خوددار انسان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ شخصیت کی بلندی ہمیشہ کردار کی رفعت سے وابستہ ہوتی ہے کردار ہی وہ شمع ہے جو اخلاقیات کے مختلف فانوسوں میں روشن ہو کر

نئی نئی روشنیاں پیش کرتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ نکتہ رس افراد کی نگاہیں شخصیت کو اس کے کردار کی خفیف ہی سی پستی کے ساتھ بام ترقی سے ایک زینہ نیچے اتار دیتی ہیں اور نگاہ کی یہ خردہ گیری ایک انسان میں کسی شخصیت کے متعلق اسی وقت تک برقرار رہتی جب تک کہ اس انسان کی کوئی غرض اس دوسری شخصیت سے وابستہ نہ ہو جائے خواہ وہ حصول مال دولت کے طور پر ہو یا کسی اور بنا پر جب تک غرضکی وابستگی باقی رہیگی اسوقت تک نگاہ کی صحیح تنقید اپنے کام میں تساہل کرتی رہے گی۔ جس کا نتیجہ حقیقی علم و کمال کی ناقدری و زوال۔ اور نمائشی پیکروں کے اقتدار فراواں کی شکل میں برابر ظاہر ہوتا رہیگا یہی وجہ ہے کہ اکثر شعرا جب کسی دربار شاہی سے وابستہ ہو گئے تو چاہے وہ پہلے کتنے ہی صاف گو رہے ہوں لیکن پے در پے عطایا اور انعامات شاہی کی بوچھاروں نے زبان سے قوت حق گوئی اور نگاہ سے طاقت نقد و تبصرہ دونوں چیزیں سلب کر لی ہیں اور اس طرح ایک شاعر شخصیت پرست بنکر بالکل ناکارہ ہو جاتا ہے۔

ایسے افراد شاذ و نادر ہی ہیں جو کسی شخصیت کو اپنے اغراض سے الگ رہکر حقانیت کی ترازو میں تول سکیں ہمارا شاعر دعبل زمانے کے انھیں شاذ و نادر افراد میں تھا جو کسی شخصیت کے جاہ و حشم سے مرعوب ہوئے بغیر اپنی صحیح رائے قائم کر سکیں جب کردار میں بلندی دیکھی تو مدح کی اور جب ضمیر فروشی دیکھی تو ہجو کی اس میں چاہے دعبل کا ولی نعمت ہو یا اس کے قبیلہ کی کوئی فرد ہو اسکی واضح مثال ہم ابھی مطلب خزاعی اور دعبل کی ملاقات کے سلسلہ میں پیش کریں گے۔

کتب خانہ وقف ... منصبیہ

مطلب خزاعی مدح وذم دونوں کا مستحق تھا

اس لئے کہ وہ کسی خاص کردار کا مالک نہ تھا لہٰذا دعبل پر یہ اعتراض کرنا کہ ایک ہی شخص کی مدح اور مذمت دونوں کیا معنی رکھتے ہیں۔ غلط ہے مطلب ابن عبداللہ ابن مالک خزاعی جیسی دولتمند ہستی کا تعلق بھی دعبل ہی کے قبیلہ سے تھا۔ یہاں ہمارا شاعر کبھی ہجو کرتا ہوا ملتا ہے اور کبھی مدح اس کی وجہ یہ ہے کہ مطلب جہاں خلاف کردار انسانیت کسی فعل پر اقدام کرتے ہوئے ملتے ہیں وہاں ہجو کے مستحق سمجھے جاتے ہیں اور جہاں سے مطلب کا کردار سدھرتا ہے وہیں سے دعبل کی زبان مدح کھل جاتی ہے، چنانچہ ایک مقام پر دعبل ان اشعار میں مطلب کی ہجو کرتے ہیں۔

اضحت بنی طلحۃ الطلحات متئدا ۔ طلوم مطلب فینا وکن حکما

تخرج خزاعۃ من لوم ومن کرم ۔ فلا تعد لہا لوما ولا کرما

(ترجمہ) طلحۃ الطلحات (بنی خزاعہ کا ایک جواد امیر تھا) کی سخاوت کا اگر مطلب کی کنجوسی سے مقابلہ کرو (تو معلوم ہوتا ہے) کہ نہ تو بنی خزاعہ سخاوت ہی کے اعتبار سے کوئی خصوصیت رکھتے ہیں نہ بخیلی کی بناء پر) مطلب یہ ہے کہ اگر بنی خزاعہ نے طلحۃ الطلحات سا جواد وکریم پیدا کیا تو ساتھ ہی ساتھ مطلب سا کنجوس ولئیم بھی پیش کر دیا۔

دوسرے مقام پر یہی دعبل انھیں مطلب خزاعی کی مدح کرتے ملتے ہیں۔

ایک شعر مثالاً پیش کرتے ہیں

زمنی بمطلب سقیت زمانا ۔ ماکنت الا روضۃ وجنانا

مدتوں مطلب کے عطایا سے میں ایک سرسبز باغ کے مانند رہا۔

ان اشعار سے ممکن ہے بعض ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ دعبل شاید کوئی ابن الوقت آدمی تھے کہ جب تک کسی سے کام نکلتا رہا مدح کرتے رہے ورنہ ہجو شروع کر دی جیسا کہ بعض افراد نے دعبل کو اسی رکیک ذہنیت سے متہم کیا ہے۔ مگر تاریخ کا تتبع کرنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ دعبل ایک پاک باطن صاف گو اور شیدائے آل محمد شاعر تھے ان کا قول ہے کہ (آل محمد کا محب بہر حال لائق محبت اور ان کا دشمن کوئی بھی ہو لائق ملامت ہے)

مطلب خزاعی خود ایک متلوّن المزاج انسان تھے

یہ کبھی تو امین جیسے متعصب بادشاہ کے ساتھ ہو گئے اور کبھی ابراہیم ابن مہدی کا ساتھ دیا اور آخر میں پھر مامون کے ساتھ رہ کر اپنے آبائی عقیدہ کے ماتحت فرقہ شیعہ کے ہمدرد ہو گئے۔ چنانچہ ۱۹۸ھ میں یہ امین کے زیر اقتدار مصر کی گورنری پر فائز تھے اسکے بعد وہاں سے منتقل ہو کے بغداد آ گئے جہاں بڑے زور و شور سے امین کے بھائی مامون کی بیعت ہو رہی تھی یہاں پہنچتے ہی مامون کی طرفداری کا دم بھرنے لگے کچھ ہی دن کے بعد جب ابراہیم ابن مہدی مدعی خلافت ہو کے اٹھا اور اس نے ہنگامہ برپا کرنا شروع کیا تو آپ سر لشکر کھڑے ہوئے ابراہیم کی بیعت پر لوگوں کو آمادہ کرتے نظر آئے اور جب مامون کا ٹڈی دل لشکر بغداد کے قریب مقابلے کے لئے آ چکا تو آپ ابراہیم کو چھوڑ کر مامون کی بیعت کرانے اور ابراہیم کو گرفتار کر لینے میں سرگرم کار نظر آئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ جب بڑے بڑے سیاسی قائد اپنے نظریات میں ڈگمگائے ہوئے تھے اور کوئی صحیح لائحہ عمل اس ہنگامی فضا میں مرتب

کر لینا بہت ہی دشوار تھا۔

۱۹۹ھ بلکہ ۲۰۲ھ تک بغداد اور اس کے اطراف میں گوناگوں سیاسی طوفانوں کی بھرمار تھی۔ ایک طرف طاہر ابن الحسین و ہرثمہ ابن اعین کی فوج سمندر موج نے امین کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ دوسری طرف کوفہ میں علی ابن طبا طبائی علوی کی حکومت کے لیے کوششیں تھیں مکہ میں حضرت امام علی رضا کے بھائی ابراہیم ابن موسیٰ ابن جعفر کے لیے لوگ بیعت لے رہے اس دور میں اکثر افراد ان ہنگاموں سے بچنے کے لیے حج کو چلے آئے تھے اور بعض سیاسی افراد اس لیے حج میں شرکت کرتے تھے کہ عوام الناس اور دیگر مخصوص افراد کی رائیں اپنی تائید میں حاصل کر لیں۔

دعبل گورنر اسوان کے عہدے پر

اسی زمانے میں ہمارے شاعر دعبل اور ان کے بھائی رزین ابن علی بھی حج کرنے آئے ہوئے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب مطلب خزاعی مصر کی گورنری پر فائز تھے کہ اتفاقاً دعبل و رزین کے دل میں خیال آیا کہ چل کے اپنے قبیلہ کے امیر مطلب خزاعی سے ملاقات کریں اور یہ دعبل کو یاد نہ رہا یا اس وقت خیال سے اتر گیا کہ ہم اولاً تو مطلب کی ہجو کر چکے ہیں، دوسرے یہ کہ مطلب آج کل امین جیسے بادشاہ کی ماتحتی میں رہ کر ایسے بادشاہ کا دم بھر رہا ہو جس سے ہم سے مذہبی و نظریاتی اختلاف ہے بہر حال جس وقت یہ دونوں بھائی سرزمین مصر پر وارد ہوئے تو اس وقت تک مطلب کو ان کے ہجو کہنے کا علم نہ ہوا تھا مطلب ایک سیاسی آدمی تھا جو اپنی قوت بڑھانے کی فکر میں لگا رہتا تھا اس کو جو دعبل سا شاعر ہاتھ آیا تو اس نے بڑی دریا دلی سے دعبل کا استقبال کیا۔ دعبل نے اس کے اخلاق سے متاثر ہو کے کچھ اشعار مدح میں پڑھے جن کے بعض اشعار ہم پیش کرتے ہیں۔

زمنی بمطلب سقیت زمانا ما کنت الا روضۃ وجنانا
کل الندی الا نداک تکلف لم ارض بعدک کائنا من کانا
اصلحتنی بالبر بل افسدتنی فترکتنی اتسخط الاحسانا

میں ایک زمانہ تک مطلب کے عطایا سے ایک سرسبز باغ کے مانند خوش وشاداب رہا، ساری سخاوتیں تیری بزم جود کی نقل ہیں اب تیرے بعد کسی کی عطا مجھے خوش نہ کر سکے گی تو نے میری اصلاح نہیں کی بلکہ معیار ذہنی اتنا بلند کردیا، مجھے فاسد کردیا اب تو دوسروں کے احسان مجھے ناراض کردیتے ہیں۔

ان اشعار میں دعبل نے مطلب کے فیاضانہ برتاؤ کو سراہا ہے اور اس کے جود وسخا کی مدح کی ہے اور بس، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دعبل کا معیار ذہنی کتنا بلند تھا کہ وہ ذرا بھی مبالغہ کو دخل نہیں دیتے کسی دوسری صفت کی بیجا مدح نہیں کرتے۔

مطلب نے بھی خوب دل کھول کے خاطرداری کی حد یہ ہے کہ دونوں میں بھائی چارہ ہوگیا نوبت یہاں تک پہونچی کہ دعبل کو اسوان کا گورنر بنا دیا گیا، ابھی دعبل کو والی اسوان ہوئے زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ کسی نے مطلب کو بتایا کہ دعبل اس کے پہلے آپ کی ہجو کرچکے ہیں یہ خبر سنتے ہی مطلب کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور فوراً دعبل کو معزولی کا حکم بھیج دیا۔

حکم عزل لے جانے والے کو یہ ہدایت تھی کہ اسوان جاکر یہ فرمان معزولی دعبل کو جمعہ کے دن اس وقت دینا جب وہ منبر پر خطبہ پڑھنے بیٹھ جائیں اور فوراً ان کو بغیر خطبہ پڑھے منبر سے اتار لینا تاکہ لوگوں میں ان کی توہین ہو۔

جمعہ کا مبارک دن تھا دعبل حسب معمول غسل سے فارغ ہوکے لباس فاخرہ زیب جسم کئے ہوئے دارالامارۃ سے نکل کر منبر پر خطبہ پڑھنے بیٹھے کہ یکایک مطلب کے قاصد نے اٹھ کے معزولی

کا فرمان دیا۔ دعبل نے روکا کہ خطبہ پڑھنے کے قبل کوئی خطبہ نہ پڑھوں گا۔ قاصد نے بھرے مجمع میں مطابق حکم یہ کہا کہ مجھے حکم ہی دیا گیا ہے کہ آپ کو خطبہ پڑھنے کے قبل ہی منبر سے اترنے کا حکم سنادوں دعبل خطبہ پڑھتے ہی منبر سے اتر آئے۔ صاحبانِ انصاف غور فرما سکتے ہیں کہ اس وقت مطلب کے اس رکیک طرزِ عمل سے دعبل پر کیا گزری ہوگی۔ یقیناً غیظ و غضب میں دعبل مطلب کے لیے جو کچھ نہ کہتے وہ کم تھا مگر واہ رے کردار شرافت۔

دعبل نے صرف یک جدی و ہم قبیلہ ہونے کے حقوق کی روشنی میں ایک انتہائی مہذبانہ شکوہ کیا ہے جو حسب ذیل اشعار سے واضح ہوتا ہے۔

أمطلب أنت مستعذب — حميا الافاعي ومستقبل
فان اشف منك تكن سبة — وان اعف عنك فما تعقل
ستاتيك اما وردت العراق — صحائف يوشيها دعبل
منمقة بين اثنائها — مخاز تحط فلا ترحل
توليت ركضا ذنبا لنا — صدور القنا فبهم تعسل
اذا الحرب كنت اميرا لها — فحظهم منك ان يقتلوا

خلاصہ یہ ہے کہ اے مطلب یہ کیا اندھیر ہے کہ اپنوں کے مقابلہ میں غیروں کی بات رکھتا ہے۔ زہر کو لذیذ سمجھ کر موذی سانپوں کی حمایت کرتا ہے۔ میں اس وقت بڑی کشمکش میں ہوں اگر اپنے دل کی بھڑاس نکالوں تو دنیا کہے کہ دعبل اپنے قبیلہ ہی والے کو سب و شتم کرتا ہے اور اگر ضبط نفس سے کام لے کر معاف کر دوں تو میری اس کریم النفسی کی اہمیت نہ سمجھی جائے۔ عنقریب میرے عراق پہونچنے پر مطلب کو میرے متعلق خطوط سے معلوم ہوگا کہ اس کے دامن سے بدنامی کے دھبے کبھی نہ چھوٹ سکیں گے۔ اے مطلب تو کسی نہ کسی طرح دوڑ دھوپ کر کے گورنر بن بیٹھا لیکن ہمارے قبیلے

...... کے نوجوانوں کے دلوں میں نیزوں کی انیاں چبھی ہوئی ہیں۔ بیشک تجھے یہی چاہیے تھا کہ امیر ہو کے اپنوں ہی کے گلے کاٹے۔ ان اشعار کو پڑھ کر ایک منصف مزاج آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ دعبل کی ہجو مطلب کے بیٹے کتنی شریفانہ اور سنجیدہ تھی دعبل کی جگہ کیسا ہی سلیم الطبع آدمی کیوں نہ ہوتا کبھی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا، مطلب کی خفیف الحرکاتی نے، ثابت کر دیا کہ دعبل مطلب کی مدح و ذم دونوں میں کتنا سنجیدہ اور حق بجانب تھا۔

مطلب کا طرز عمل دعبل کے ساتھ جو رسوا کن ہیں ظاہر ہوا وہ ابد الآباد تک کلنک کا ٹیکہ بن کر مطلب کی پیشانی پر نمایاں رہے گا اور آنے والی نسلیں دعبل کو ان کی متانت پر خراج تحسین ادا کرتی رہیں گی۔

ہارون رشید کے بعد عالم اسلامی کا انتشار

انسان تاریکیوں میں رہتے رہتے کتنا ہی مانوس کیوں نہ ہو جائے پھر بھی طلوع نور کے ارمان دل سے نکلتے نہیں نایابی مال و دولت میں انسان تنگ دستی و افلاس کی مصیبت پر صبر و شکر سب ہی کچھ کرتا ہے۔ لیکن اگر سیم و زر کا خزانہ سامنے ہو اور ملنے کی کچھ امید بھی ہو تو پھر انسان اسے حاصل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے۔ موسم سرما میں جب کالے کالے بادل آفتاب کو، چھپا کے ہلکی ہلکی پھوار سے خنکی کو دو چند کر دیتے ہیں تو لوگ مجبوراً دن کو بند کمروں میں بیٹھ کے وقتی طور پر شمع سے روشنی اور ولائتی آلات سے گرمی حاصل کر لیتے ہیں لیکن اگر آفتاب نکل کر اپنی گرم، شعاعوں سے حرارت پیدا کرنا شروع کر دے۔ تو اب یہ بند کمروں میں بیٹھنے والے جو سہم چکے ہوں کہ اب دھوپ سے گرمی حاصل کر سکتے ہیں تو ناممکن ہے کہ کمرے کھول کے دھوپ کی تلاش میں یہ لوگ سرگرم نظر نہ آئیں۔

بس بعینہ یہی حالت ہارون رشید کے مرنے کے بعد حکومت عباسیہ کے مسلمانوں کی تھی جب تک مجبور تھے خاموش رہے اور ادہر رعب حکومت ہٹا ادہر لب تعلق کی مہریں ٹوٹیں، دل کے جذبات زبان تک آنے کے قابل ہوئے زبانیں حق گوئی کی طرف اور ہاتھ قبضۂ شمشیر کی طرف بڑھنے لگے۔ ایران مملکت میں چاروں طرف زور و شور سے انقلاب کی آندھیاں چلنے لگیں ۱۹۰ھ سے لے کر ۲۱۰ھ تک یہ بیس برس ایسے ہنگامہ پرور گذرے ہیں جس میں نہ جانے کتنے خون ہوئے کتنے مذاہب ایجاد ہوئے، اس مختصر زمانہ میں بڑا حیرت انگیز انقلاب رونما ہوا، ہارون الرشید کو مٹی دینے والے ہاتھ اسے زیر خاک چھپا رہے تھے اور مستقبل شناس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ آج فتنہ و فساد کا وہ تخم بویا جا رہا ہے جس سے پھوٹ نکلنے والا درخت اپنی معمولی سی حرکت سے عرب و عجم کے ایوانوں میں انقلابات کی زہریلی ہوائیں پھیلا دے گا، ابھی ہارون رشید کا کفن بھی میلا نہ ہوا تھا کہ امین و مامون دونوں سگے بھائیوں میں رشتۂ اخوت پارہ پارہ ہو کر قطع ہو گیا۔ ہارون رشید نے اپنے مرنے کے قبل ہی امین کو ولی عہد قرار دے کو غربی ممالک شام خراسان وغیرہ سپرد کر دیئے تھے اور مشرقی حصے مامون کو دے دیے تھے جیسا کہ ہم مصلح اعظم کے عنوان سے ایک مضمون میں پیش کر چکے ہیں، جو اب سے دو سال قبل "سحاب" میں شایع ہوا تھا، ہارون رشید کی موت اتفاق سے لشکر ہی میں واقع ہوئی لہذا اس نے اپنی موت سے کچھ پہلے اہل لشکر کو مامون کے ساتھ رہنے پر مامور کر دیا تھا یہ لشکر حسب وصیت مامون سے مل گیا مگر موجودہ خلیفہ امین کی طرف سے ان کا دل کھٹکتا رہا۔ یہ وہ دور تھا جب چاروں طرف انتشار و بدامنی کی لہر دوڑی ہوئی تھی، نہ سیاسی و اخلاقی مجرموں کیلئے سزا دہی کا امکان تھا اور نہ کوئی ذمہ دار حاکم کہیں نافذ القول تھا، جو جہیں بلا سردار اور شہر بغیر کسی ذمہ دار حاکم کے فتنہ و فساد کا مرکز بنے ہوئے تھے، سب سے زیادہ بغداد کی حالت تباہ تھی فوجی سپاہی چاروں طرف لوٹ مار کرتے پھرتے تھے، اشرفا کا بس نہیں تھا کہ

گلے گھونٹ گھونٹ کر جان دیدیں۔ آوارہ و بدمعاش رہزنوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں لوٹتی پھرتی تھیں، ہر طرف بدامنی کا دور دورہ اور فتنہ و فساد کی حکمرانی تھی اپنے کو وارث حکومت سمجھنے والے افراد ملک کے گوشہ گوشہ سے اٹھ کر لوگوں سے بیعتیں لے رہے تھے، اگرچہ حقیقی وارث خلافت الٰہیہ اس وقت بھی اپنے مقدس گھر کے گوشہ میں مصلے بچھائے امت جد کی تباہی سے بے چین ہو کر اصلاح کی دعائیں کر رہا تھا۔ بقول مورخ کامل ابن اثیر صرف اطراف عراق میں سات عدد افراد اولاد علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے جذبات انتقام لے کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے، اور، سابقین کے ظلم سے تنگ شدہ پبلک جوق در جوق ہاشمی ہاتھوں پر بیعت کیلئے ٹوٹی پڑتی تھی

انسانی دلوں میں بیک وقت کئی قسم کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں، کہیں انتقام خون حسینؑ کے جذبے بھڑک اٹھے تھے، کہیں خلفائے عباسی کی بدعہدی کام کر رہی تھی کہیں گزشتگان کے ڈھائے ہوئے مظالم اپنا رنگ دکھا رہے تھے اور ان سب پر طرہ یہ تھا کہ تخت حکومت سے وداع ہو کے جانے والا اور متوقع ہونے والا حکمران دونوں پبلک کی نظر میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے غیر مستحق سمجھے جا رہے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

بقول مورخ کامل ابن اثیر صرف اطراف عراق میں سات افراد اولاد علی ابن ابی طالبؑ میں سے جذبات انتقام لیکے اٹھے تھے اور جن کی بیعتیں بڑے زور و شور سے کی جا رہی تھیں جن کی تفصیل مطابق کامل ابن اثیر یہ ہے۔

۱۹۹؁ھ میں عراق میں ابو السرایا السری بن منصور الشیبانی اور ان کے ساتھ محمد ابن ابراہیم بن اسمٰعیل ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب

(۲) مدینہ میں محمد ابن سلیمان ابن داؤد ابن حسن ابن علی۔

(۳) بصرہ میں علی ابن محمد بن جعفر بن علی ابن حسین

(۴) زید بن موسیٰ ابن جعفر۔

(۵) یمن میں ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد

(۶) مکہ و اطراف حجاز میں محمد ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن حسینؑ

(۷) مدینہ میں حسن بن حسین ابن علی ابن علی ابن حسینؑ

ان کے علاوہ اور نہ جانے کتنے افراد تھے جن پر قابو حاصل کر لینا تنہا مامون کے بس کی بات نہ تھی موجودہ حالات کی روشنی میں ایک قدر بصیر اگر جذبات مذہب پروری سے ہٹ کے انصاف کی نگاہ سے دیکھے تو وہ آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے

کہ اس وقت جمہور اہل اسلام کی نگاہ تخت حکومت پر کسے دیکھنا چاہتی تھی اور مامون کو امین قتل کیا کرنا چاہیے تھا۔ امین کو شکست دیکر قتل کر دیا گیا، کس نے قتل کیا اور کس کی مدد سے مامون کامیاب ہو سکا اسے تاریخ سے پوچھیے وہ بتائے گی کہ ایک خلیفہ ماسبق کے قائم کردہ خلیفہ کی حکومت بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا یہ کن جذبات کا کام تھا یہ کون سی دبی ہوئی چنگاریاں تھیں جو ہارون کے مرتے ہی ایک دم سے بھڑک اٹھیں، اگر مامون اپنی سیاسی سوجھ بوجھ سے کام لے کر اپنے طرز عمل کو بدل نہ دیتا تو شاید حکومت عباسی آج ہی ختم ہو چکی ہوتی جس کو مورخین کہتے ہیں کہ مامون فطرتاً مائل بہ شیعیت تھا۔

امین کو قتل کرنے والے ہاتھ وہی تھے جن کی رگوں میں محبت اہلبیت خون بن کے دوڑ رہی تھی۔ ہرثمہ ابن اعین، طاہر ابن الحسین، خزاعی ذوالیمینین جیسے افراد تھے جن کے سامنے امین کا سر کاٹا گیا اور طاہر کے ساتھ ذوالیمینین کا لقب خود گواہ ہے کہ یہ محب دولت عباسیہ ہیں

ان کو ذوالیمینین اس لیے کہا جاتا ہے کہ امین کے لشکر کا قائد جب وقت ان کے مقابل آیا ہے تو انھیں نے انتہائی جوش شجاعت میں دونوں ہاتھ قبضہ شمشیر پہ جما کر جو وار کیا ہے

تو قائد کا سر کٹ کے دور جا گرا۔ فوج بھاگ گئی امین قتل ہوا اور چونکہ ان کی یہ ضرب علامات فتح میں سب سے نمایاں ثابت ہوئی اس لیے ان کو ذوالیمینین کہنے لگے۔ (یعنی دو دست راست والا)
اس وقت مامون کے سیاسی تدبر کا تقاضہ یہی تھا کہ تخت حکومت کا کوئی ایسا وارث اہل اسلام کے سامنے منتخب کر کے پیش کرے جس کو مسلمانان عالم سچا بہی خواہ اسلام اور حقیقی وارث تخت خلافت سمجھتے ہوں۔

جو رسول سے اتنا نزدیک قرابت اتنا قریب تر ہو کہ سادات سر جھکا دیں، جس کے علم و فضل اور تقدس و ورع کی اتنی دھاک بیٹھی ہو کہ عرب و عجم مصر و خراسان، مدینہ حجاز کسی مقام کے علماء و فضلاء اس کے سامنے سر نہ اٹھا سکیں چنانچہ مامون نے یہی کیا جو ایک سیاسی مدبر کو کرنا چاہیے تھا اس نے فوراً بنی عباس کا سیاہ لباس اتار کے بنی ہاشم کی سبز پوشاک پہنی اور جب اس طرح اپنا رنگ بدل چکا تو امام علی رضا کی خدمت میں آ کے انھیں مجبور کیا کہ وہ حکومت یا کم از کم عہدہ ولیعہدی قبول کر کے سلطنت کو خطرات سے بچائیں اور اس طرح امام کو قتل کی دھمکی دے کر انھیں قبول ولیعہدی پر مجبور کیا۔

یکایک حکومت باطل کے ایوانوں میں حق کی شمعیں جگمگانے لگیں۔ شب ضلالت ختم ہوئی اور امن کی روشنی صبح صادق کی کرن بن کے پھوٹ نکلی۔ یا دربار میں ہر طرف کالے کالے لباسوں سے سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔ یا ہری۔ ہری پوشاکیں خلعت بہار بن کر جسموں پر نمودار ہونے لگیں۔ دربار کے آئین و انداز بدلے اور حکومت اسلام کی مسند ولیعہدی پر خلافت الٰہیہ کا حقیقی وارث جلوہ افروز ہو گیا۔

دارالاشاعت کی کتابیں خریدنا آپ کا دینی فریضہ ہے

دعبل خلیفۂ الٰہی کے عصر ولیعہدی میں

کسے معلوم تھا کہ فلک سفلہ پرور کے دور میں وہ عہد بھی آئے گا جب مجازات کی جگہ حقائق نظر آئیں گے۔ تاریکیوں کی جگہ نور پھیلا ہوگا۔ قید خانوں کی زمین پر بیٹھنے والا مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوگا۔ جسم حکومت کو روح ملے گی اور الفاظ مدح کو صحیح مصداق آج ہمیں وہ مبارک منظر بھی نظر آہی گیا جبکہ ہمارا شیدائے آل محمد، شاعر دعبل اپنے حقیقی ممدوح و محبوب کے روبرو بیٹھ کے اپنے جذبات کو کھُلم کھُلا قصیدے کی شکل میں پیش کر رہا ہے۔ دعبل مطلب خزاعی کے یہاں سے ناراض ہو کے امین کی طرف سے کسی دوسری آنے والی مصیبت کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ امین مار ڈالا گیا۔ اور مامون خلیفہ ہوگیا اور شیعیت کی پوری حمایت کر رہا ہے یہاں تک کہ اُس نے اپنے اجداد کا رنگ پوشاک بھی بدل ڈالا ہے۔ اور امام رضا کی ولی عہدی کی منادی کرادی ہے اور اب امام ہی کے نام کا سکہ چلے گا۔ یہ سُنتے ہی دعبل خوشی کے مارے پھولوں نہیں سماتے تھے نیز انہیں یہ اطلاع بھی دی گئی کہ اس کا اُستاد و دوست مسلم جرجان کا گورنر بھی ہے اس وقت دعبل کا چہرہ فرط خوشی سے کھِل گیا دل میں صدہا قسم کے ارمان کروٹیں لینے لگے۔ مختلف قسم کے ولولے دل میں مچلنے لگے اور اب اُسے دنیا کی ہر شے اپنی معلوم ہونے لگی اس کے دل میں ایک تڑپ اٹھی کہ بوریائے فقر کے ساکن کو آج مسند شاہی پر جلوہ آرا دیکھوں امام تک پہنچنے کی آرزو میں تحفہ کی تلاش کرتا رہا آخر کو سر جھکا کر قلم لے کر بیٹھ گیا بھلا ساحل سمندر پر جا کے کون پیاسا لوٹا ہے جب دریاؤں کے غواص خالی ہاتھ نہیں

نہیں ملتے تو بھلا بحرِ مدحِ آلِ محمد میں غوطہ لگانے والا کیا کچھ نہ پائے گا۔ یقیناً سلک نظم میں مدح کے وہ لاجواب موتی پروئیے جس کی چکاچوند ابد تک نگاہ باطل کو خیرگی اور چشم حق بین کو نور بخشتی رہے گی حقیقت یہ ہے کہ اس قصیدے نے دعبل کو دعبل بنایا اور یہی قصیدہ ابد تک دعبل کو زندہ رکھے گا۔ یہیں بالفعل جتنے اشعار اس قصیدے زیادہ پسند آئے وہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

تجاوبن بالارنان والزفرات نوائح عجم اللفظ والنطقات

اُف کتنا پیارا منظر تھا جب بے بول پرندے اپنی بے زبانی میں ایک دوسرے کے درد بھرے آہ و نالے کا جواب دے رہے تھے۔

یخبرن بالانفاس عن سر انفس اساری ہوی ماض و آخر آت

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی آہیں آئندہ اور گزشتہ کے اسیران محبت کی داستان غم دہرا رہی ہیں اور ان کے رازہائے محبت آشکار کر رہے ہیں۔

فاسعدن و اسعفن حتی تقوضت صفوف الدجی بالفجر منھزمات

یہ نوحہ کرنے والے پرندے تو آخرکار کامیاب ہو کر اپنے اپنے محبوبوں تک پہنچ گئے۔ یہاں تک یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ تاریکی شب کی فوج صبح کے نورانی لشکر سے شکست کھا کر فرار کرنے لگی۔

علی العرصات الخالیات من المہا سلام شج صب علی العرصات

اے حسین اور بھولی بھولی صورت والی گایوں سے خالی میدانو! اس فرقت زدہ عاشق کا سلام قبول کرو جو تمہارے ویرانوں ... سب اہل عرب اشعار میں دوشیزہ کی تشبیہ بقر وحشی سے دیتے ہیں۔

وحشی سے دیتے ہیں)

فعهدی بها خضر المعاهد مانقا — من العطرات البیض والخفرات

آج تم ویران پڑے ہو، تھا ایک زمانہ جب میرا دور بھی حسین و شرمیلی گوری دوشیزاؤں
کے ساتھ سرسبز و شاداب تھا۔

لیالی یعدی فیه الوصال علی القلی — ولیعدی تدانینا علی الغربات

اُف وہ راتیں جو جدائی کے بجائے وصل پر معین اور فرقت کے بجائے وصلت کی دعوت دیتی تھیں

واذ هن یلحظن العیون سوافراً — ویسترن بالایدی علی الوجنات

اُف وہ ان حسینوں کا دیکھنے والوں سے بچنے کے لیے نازک ہاتھوں سے چہروں کو چھپانا۔

واذ کل یوم لی بلحظی نشوة — یبیت بها قلبی علی نشوات

اُف وہ میری محو نظارہ نظر کا کیف جس سے میرا دل کیف محبت کے نشے سے سرشار رہتا تھا۔

فکم حسرات هاجها بمحسر — ووقوفی یوم الجمع من عرفات

(محسر منیٰ عرفات کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) یوم عرفہ نہ جانے کتنی خوابیدہ حسرتوں کو مقام
محسر پر کچھ دیر قیام نے تڑپا دیا۔

الم تر للایام ما جر جورها — علی الناس من نقص وطول شتات

(اے میرے دوست تونے) کبھی یہ بھی سوچا کہ زمانے نے دنیا پر بدامنی اور بدعہدی سے کیسے
کیسے ظلم ڈھائے۔

ومن دول المستهترین ومن غدا — بهم طالباً للنور فی الظلمات

(اور کیا کیا مصائب ڈھائے) ان حکومتوں نے جو اپنی بے اعتدالی سے شریعت کا مذاق اڑاتی تھیں
اور کتنا ظالم تھا وہ شخص جو ان ظلمتوں سے نور طلب کر رہا تھا یعنی گمراہوں سے ہدایت مانگ رہا تھا

فکیف ومن انی لطالب زلفۃ　　　　الی اللہ بعد الصوم والصلوٰۃ

اور سچ تو یہ ہے کہ) یہ کیونکر اور کیسے ممکن ہے کہ کوئی صرف نماز روزہ ادا کر کے اللہ کی قربت حاصل کرلے

سوی حب ابناء النبی و رھطہ　　　　و بغض بنی الزرقاء والعبلات

جب تک کے اس کے دل میں نبی و آل نبی کی محبت ۔ اور بنی مروان اور اولاد امیہ اور ہند اور

مادر زیاد اور اسکے بیٹے جو کفر و اسلام دونوں حالتوں میں فاسق و فاجر تھے انکی دشمنی نہ ہو۔

وھند وما ادت سمیۃ وابنھا　　　　اولی الکفر فی الاسلام والفجرات

ھم نقضوا عھد الکتاب و فرضہ　　　　و محکمہ بالزور والشبھات

ان لوگوں نے کتاب خدا کے عہد و اسکے فرائض و محکمات کو مکر و شبہات کے ذریعے توڑ دیا۔

و لم تک الا محنۃ قد کشفتھم　　　　بدعوی ضلال من ھن وھنات

اور یہ تو درحقیقت ایک قدرتی امتحان تھا۔ (جو رسول کے بعد امت سے لیا گیا) جس میں وہ اپنے

گمراہ کن دعوؤں کو کچھ ذلیل و پوچ باتوں سے سمجھنے میں بالکل کھل کے سامنے آگئے۔

تراث بلا قربی و ملک بلا ھدی　　　　و حکم بلا شوری بغیر ھدات

وراثتی حقوق کے بغیر میراث (رسول) دبا بیٹھے غلط و گمراہ طریقے سے حکومت پر قبضہ جمایا اور

مخلوق میں بغیر کسی صحیح ہدایت و مشورہ کے حکم چلانے لگے۔

رزایا ارتنا خضرۃ الافق حمرۃ　　　　و ردت اجاجا طعم کل فرات

غرض وہ وہ ظلم ڈھائے کہ فلک کا سبز افق بھی سرخ ہو کے رہ گیا اور ہر شیریں تلخی سے بدل کے رہ گئی

وما سھلت تلک المذاھب فیھم　　　　علی الناس الا بیعۃ الفلتات

اور یہ نحوست کے راستے ان پر یونہی نہیں کھل گئے۔ بلکہ یہ سب اچانک حادثہ بیعت کے اثرات ہیں

(جو بلا سوچ سمجھے کرلی گئی) (حضرت عمر کا قول ہے کہ کانت بیعۃ ابوبکر فلتۃ حضرت ابوبکر کی بیعت

ایک اچانک حادثہ تھا، شاید اسی قول سے شاعر نے استفادہ کیا ہے۔

ولو قلد والموصی الیہ امورھا لزمت بماموں علی العثرات

اگر امور خلافت وحکومت اس کے سپرد کر دیے گئے ہوتے جسکے لئے وصیت کی گئی تھی تو یقیناً لغزشوں کی باگ ڈور امن وسلامتی کے ذمہ دار ہاتھوں میں ہوتی۔

اخی خاتم الرسل المصفی من القذی ومفترس الابطال فی الغمرات

(جس کے لئے وصیت کی گئی تھی) وہ خاتم النبیین کا بھائی اور شدائد جنگ میں شجاعوں کے تیتے پھاڑنے والا تھا۔

فان جحدوا کان الغدیر شہیدہ وبدر واحد شامخ الھضبات

اور اگر دنیا انکار کرے تو بدر کا معرکہ کوہ احد کی بلند پہاڑیاں اور غدیر خم کا میدان خود گواہ ہے

وآی من القرآن تتلی بفضلہ وایثارہ بالقوت فی اللزبات

قرآن کی تلاوت کیجانے والی آیتیں گواہ ہیں جو بھوک قحط کے مواقع پر ایکے فضل اور غذائی ایثار کی داستانیں دہرا رہی ہیں۔ (سورۂ ہل آتی مراد ہے)

مناقب لم تدرک بخیر ولم تنل بشیٔ سوی حد القنا الذربات

اور فضائل بھی کونسے وہ نہیں جو صرف چند نیکیاں کر کے ملجائیں بلکہ وہ مناقب جو بجز نیزوں کی تیز دھار وار انیوں کے کبھی و مل سکیں۔

نجی لجبریل الامین وانتم عکوف علی العزی معاً ومنات

یہ اسوقت جبرئیل امین سے سرگوشیاں کر رہا تھا جب تم لوگ آغوش عزیٰ و منات میں اعتکاف کئے بیٹھے تھے (اس شعر میں جبرئیل کی اس شاگردی کا تذکرہ ہے جب قدرت کا سوال ہوا تھا کہ تو کون ہے اور میں کون ہوں اور آپنے تعلیم فرمایا تھا کہ قال انت رب الجلیل و انا عبد الذلیل)

بکیت لرسم الدار من عرفات — واذریت دمع العین بالعبرات

(دوسرا مطلع)

ہائے افسوس ہیں مقام عرفات میں انھیں کے گھروں کے نشانات دیکھ کے رو پڑا اور میرے آنسو اشک عبرت بن کے ٹپکنے لگے۔

مدارس آیات خلت من تلاوۃ — ومنزل وحی مقفر العرصات

افسوس کہ آیات الٰہی کی درسگاہیں تلاوت کرنے والوں سے خالی ہوگئیں اور وحی کی منزلیں (اجڑ کے) چٹیل میدان ہوگئیں۔

لآل رسول اللہ بالخیف من منی — وبالرکن والتعریف والجمرات

دیار علیؑ والحسینؑ وجعفر — وحمزۃ والسجاد ذی الثفنات

مکہ سے لیکر منیٰ۔ رکن۔ عرفات اور جمرات ان تمام مقامات پر آل رسول ہی آباد تھی کہیں حضرت علیؑ اور کہیں جناب حمزہ وحضرت سید سجادؑ سے ذی ثفنات ہستیوں کے مکانات تھے۔

(ذی الثفنات) ثفنات لغت میں جماعت کو کہتے ہیں ذی ثفنات وہ پانچ مخصوص آدمی جن میں جناب حمزہ اور سید سجاد بھی ہیں ان کے پانچسو درخت زیتون کے تھے اور ان لوگوں نے ہر درخت کے پاس دو دو رکعت نماز پڑھی تھی اس بناء پر انھیں ذو ثفنات کہتے ہیں (قاموس)

منازل قوم یھتدی بھدا ھم — فیؤمن منھم زلۃ العثرات

یہ اس پاک گروہ کے مقدس منازل تھے جنکی ہدایات لغزشوں سے بچا کے امن کے راستہ دکھاتے تھے اور جہاں سے ہدایات حاصل کیے جاتے تھے۔

دیار عفاھا جور کل منابذ — ولم تعف للایام والسنوات

(ہائے وہ دیار) جنھیں دشمنوں کے ظلم نے میٹ کے رکھدیا (یہ مٹ تو گئے) مگر گذرتی ہوئی

صدیوں کے لئے عبرت کی نشانی بنکے آج بھی موجود ہیں۔

قفا نسأل الدار التی خف اهلها
متی عهدها بالصوم والصلوٰت

(دو دوستوں ٹھہرو ذرا اس اجڑے دیار سے جو اپنی آبادی کھو بیٹھا ہے پوچھ تو لیں کہ تیرا وہ صوم و صلوٰۃ سے گونجتا ہوا دور کیا ہوا۔

واین الاولیٰ شطت بهم غربة النوی
افانین فی الاقطار مفترقات

(اے اجڑے دیار کچھ تو بتا) کہ یہ وہ بسنے والے کہاں گئے جنھیں غریب الوطنی نے مختلف مقامات پر منتشر کر دیا ہے۔

هم اهل میراث النبی اذا اعتزوا
وهم خیر سادات وخیر حماة

ارے یہی تو از روئے نسب میراث رسول کے وارث تھے یہی لوگ تو بہترین حامی اور دکھ درد میں سچے مددگار تھے۔

اذا لم نناج الله فی صلوٰتنا
باسمائهم لم یقبل الصلوٰت

یہی تو وہ لوگ تھے کہ اگر نماز و دعا میں ان کے مبارک ناموں کا وسیلہ نہ ہو تو قبول ہی نہ ہو سکے

وما الناس الا حاسد ومکذب
ومضطغن ذو احنة وترات

دہان حال میں سمجھتا ہوں کہ خود نہیں ہٹے بلکہ اجاڑے گئے ہیں سچ ہے دنیا میں اب بجز حاسدوں کذابوں کینہ پروروں کے ہے ہی کون۔

اذا ذکروا قتلی ببدر وخیبر
ویوم حنین اسبلوا العبرات

یہ سب لوگ جب اپنے (کافر اجداد) مقتولین بدر و خیبر و حنین کو یاد کرتے تھے تو خوب روتے تھے

فکیف یحبون النبی ورهطه
وهم ترکوا احشاءهم وغرات

(تم خود ہی سوچو کہ یہ ان حالات میں) کیونکر نبی اور ان کی آل سے محبت رکھ سکتے تھے جب ہی

تو انھیں نے (ہم محبان اہلِ بیت) کے دلوں میں غم کے شعلے بھڑکا دیئے۔

لقد لاینوہ فی المقال واضمروا — قلوباً علی الاحقاد منطویات

(ان منافقوں کی دو رنگی نہ پوچھو) زبان پر تو چکنی چپڑی باتیں تھیں اور دلوں میں بغض بھرا ہوا تھا۔

فان لم یکن الا بقربی محمد — فہاشم اولی من ھنٍ وھنات

(یہ کیا زمانہ کی دھاندلی ہے) کہ اگر قرابت محمدی ہی ذریعۂ استحقاق حکومت تھا تو ادھر اُدھر کے بے جوڑ نسبوں سے تو جناب ہاشم کی اولاد زیادہ مستحق تھی۔ اس میں مہاجرین کے اس ادعائے قرابت پر جو انصار کے مقابل سقیفہ میں کیا گیا تھا تعریض مقصود ہے۔

سقی اللہ قبراً بالمدینۃ غیثہ — فقد حل فیہ الامن بالبرکات

اے الٰہی مدینہ کی اس قبر کو سیراب کرے جہاں امن کا مجسمہ برکتوں سمیت آرام کر رہا ہے۔

نبی الھدیٰ صلی علیہ ملیکۃ — وبلغ عنا روحہ التحفات

اے پروردگار اس ہادی برحق رسول کی روح کو جس پر تیرے ملائکہ نے نماز پڑھی میری طرف سے (درود) کے تحفے پہنچائے۔

وصلی علیہ اللہ ماذر شارق — ولاحت نجوم اللیل مبتدرات

خدایا تو ان پر رحمت نازل کرتا رہنا ہمیشہ جب تک آفتاب چمکے اور رات کے ستارے تیزی سے جگمگا ئیں۔

أفاطم لو خلت الحسین مجدلا — وقد مات عطشانا بشط فرات

(ہائے اے فاطمہ اگر آپ سوچیں کہ آپکا حسینؑ کسطرح خاک و خون میں لتھڑا فرات کے کنارے پیاس کی شدت میں دم توڑ رہا تھا۔

اذاً للطمت الخد فاطم عندہ　　　واجریت دمع العین فی الوجنات

تو یقیناً، آپ منہ پیٹ لیں اور آپ کے رخسار پر اشکوں کی لڑی بندھ جائے۔

افاطم قومی یا ابنۃ الخیر فاندبی　　　نجوم سماوات بارض فلات

اے فاطمہ اے خیر خلق کی صاحبزادی اٹھیے اور اٹھ کے (صف ماتم بچھا کے) روئیے آسمان شرف کے ستارے جنگل زمین پر منتشر پڑے ہوئے ہیں۔

قبور بکوفان واخری لطیبۃ　　　واخری بفخ نالہا صلوات

(افسوس کے قبریں بھی ایک جگہ نہیں ہیں) کچھ قبریں کوفہ و مدینہ میں ہیں اور کچھ مقام فخ میں ہیں جن پر میرا درود و سلام ہو۔ (زمانہ ہادی میں جو لوگ قتل کیئے گئے تھے وہ مقام فخ ہی میں دفن کیے گئے ان کے بعض نام یہ ہیں حسین ابن علی ابن حسن بن حسن ابن علی ابن ابی طالبؑ اور سلیمان ابن عبداللہ ابن حسن علیہم السلام اور ان کے ساتھی)

واخری بارض الجوزجان محلہا　　　وقبر بباخمری لدی الغربات

کچھ قبریں ارض جوزجان میں ہیں اور کچھ وطن سے دور باخمری میں۔

جوزجان میں جناب یحیٰ ابن زید ابن علی ابن الحسینؑ کو زمانہ ولید میں جو دور اموی کا آخری فرمانروا تھا سولی پر چڑھایا گیا تھا جب وقت بنی عباس کے لیئے دعوت خلافت دیتا ہوا ابومسلم خراسانی اس مقام پر پہنچا ہے تو انہے آپ کو سولی پر سے اتار کر دفن کیا۔

باخمرا کوفہ سے سولہ فرسخ پر ہے یہاں جناب ابراہیم بن عبداللہ الحسن کی قبر ہے۔

وقبر ببغداد لنفس زکیۃ　　　تضمنہا الرحمن فی الغرفات

بغداد میں نفس زکیہ کی قبر ہے جسے قدرت نے بہشت کے دریچوں میں شامل کر لیا ہے۔

امام کی دو قبریں

حسب قول بحار یہاں پہنچ کے امام نے فرمایا کہ دو شعر اور کیوں نہ ملالے جو تیرا قصیدہ مکمل ہو جائے

وقبر بطوس یا لها من مصیبة ۔۔۔ ألحت على الاحشاء بالزفرات

الى الحشر حتیٰ یبعث الله قائما ۔۔۔ یفرج عنا الغم والکربات

اور ایک قبر طوس میں ہے جسکی مصیبت آہ سرد بنکر قلب و جگر میں اس وقت تک پیوست رہیگی جب تک کہ قائم آل عبا ظہور فرما کر ہمارے رنج و غم کو دور نہ فرمائیں گے۔

قبور ببطن النہر من جنب کربلا ۔۔۔ معرسهم فیها بشط فرات

(ہائے اس خاندان پر کیا تباہی آئی) کہ کچھ قبریں کنارۂ نہر فرات کربلا میں ہیں۔

تقسمهم ریب الزمان فما تری ۔۔۔ لهم عقوة مغشیة الحجرات

دھر تفرقہ انداز کی گردشیں تو دیکھو کہ انھیں اس طرح منتشر کر دیا ہے کہ اب ان کے مکانات ور حجرے کچھ بھی نظر نہیں آتے۔

تنکب لأواء السنین جوارهم ۔۔۔ فلا تصطلیهم جمرة الجمرات

ہائے افسوس آج زمانہ کے شدائد نے ان کا عہد پلٹ دیا ہے ورنہ یہ وہ شجاع تھے کہ جنکی آتش شجاعت کی آنچ میں کوئی شعلہ خو بہادر بھی تاب نہ سکتا تھا (یعنی انکا مقابلہ دشوار تھا) صاحب بحار الانوار اس شعر کے معنی یہ فرماتے ہیں کہ لا یجاوزهم لا وا لجمعین والمراد بالجمرات جمرات جحیم

اذا وردوا خیلا تشمس بالقنا ۔۔۔ مساعر جمر الموت والغمرات

خصوصا جبکہ یہ ایسے لشکر کے مقابلہ میں ہوں جو چمکدار نیزوں کی شعاؤں میں موت و شدائد جنگ کی آگ دہکا رہا ہو۔

اذا فخروا یوما أتوا بمحمد ۔۔۔ وجبریل والقرآن ذی السورات

یہ لوگ صرف بہادر ہی نہ تھے بلکہ صاحب فضل بھی ایسے تھے) کہ ان کے فخر کے لئے محمدؐ سا رسول جبرئیل سا

ملک اور قرآن سی کتاب ہے۔

وعندو علیاً ذا المناقب والعلی — وفاطمة الزهراء خیر بنات

یہ اپنے فخر کے ثبوت میں حضرت علیؑ جیسے صاحب فضل اور فاطمہ زہرا جیسی سیدہ نساء بیٹی کو شمار کریں گے

ستسأل تیم عنهم وعدیها — وبیعتهم من افجر الفجرات

(قیامت کے دن) قبیلۂ تیم و عدی کے (نا سعد فرزندوں) سے پوچھا جائے گا۔ اور ان کی بیعت بھی بڑے سے بڑے گناہ سے کم نہ تھی (شعر کی مراد خلفاء ثلاثہ کے بعض افراد ہیں)

هم منعوا الآباء عن اخذ حقهم — وهم ترکوا الابناء وهی شتات

(ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں) باپ کو بیٹوں اور بیٹوں کو باپ کے حق سے باز رکھا

وهم عدلوها عن وصی محمد — فبیعتهم جاءت علی الغدرات

انھوں نے بیعت کا رخ محمد مصطفےٰ کے وصی برحق سے موڑا لہذا ان کی بیعتیں صاحب شریعت کے ساتھ کھلا ہوا فریب قرار پائیں۔

ولیهم صنو النبی محمد — ابو الحسن الفراج للغمرات

ان کا ولی تو درحقیقت محمد کا بھائی ابو الحسن تھا جو شدائد میں مشکل کشائی کرنے والا ہے۔

ملامک فی آل النبی فانهم — احبائی ما عاشوا واهل ثقاتی

(اے مخاطب آل رسول کی محبت کے طعنے نہ دے) اس لئے کہ یہی تو میرے محبوب و معتمد ہیں

تخیرتهم رشداً لامری فانهم — علی کل حال خیرة الخیرات

انھیں ہی ہدایت کے لئے چن لیا ہے اور یہ (یقیناً) ہر حال میں تمام نیکیوں (ہادیوں)؎ سے افضل و برتر ہیں۔

؎ کیوں اغیار ہی کو پراگندہ چھوڑ دیا۔

فیارب زدنی من یقینی بصیرةً   وزد حبّهم یارب فی حسناتی

بس اے پروردگار میرے یقین کی بصیرت اور بڑھا دے اور ان کی محبت میرے اعمال خیر میں اور زیادہ کر دے۔

بنفسی انتم من کهول وفتیة   لفكّ عناة او لحمل دیات

اے آل محمد میری جان آپ پر فدا ہو جائے آپ کے بوڑھے اور جوان سب ہی یا مشکلکشائی کے لیے ہیں یا مظلومونکا بار اٹھانے کے لیے۔

اُحب قصی الرحم من اجل حبکم   واهجر فیکم اُسرتی وبناتی

(اے آل محمد) آپ کی محبت کی بناء پر میں دور کے رشتہ دار سے بھی محبت کرتا ہوں اور آپ کے لئے اگر کوئی آپ کا مخالف ہو) تو میں اپنے خاندان بلکہ اولادوں تک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

واکتم حبیکم مخافة کاشح   عنیدٍ لاهل الحق غیر موات

اور میں آپ کی محبت چھپاتا ہوں ڈر سے   ان منافق دشمنوں کے جو اہل حق سے عداوت رکھتے ہیں اور زندہ ہیں۔

لقد حفّت الایام حولی بشرها + وانی لارجو الامن بعد وفاتی (وسیلۂ شفاعت بھی تو تھا)

(اے مخاطب میری حالت کیا پوچھتا ہے) مجھے تو زمانے کے شر و فساد نے گھیر رکھا ہے اب امن و چین کی امید بھی ہے تو مرنے کے بعد۔ امام نے فرمایا امنک اللہ یوم الفزع الاکبر یعنی خدا نے تجھے ہول قیامت سے محفوظ کیا۔

الم تر انّی من ثلاثین حجّة   اروح واغدو دائم الحسرات

کیا تو نہیں دیکھتا کہ میں تیس سال سے رات دن حسرت و غم میں گھرا رہتا ہوں۔

اریٰ فیئهم فی غیرهم متقسما   وایدیهم من فیئهم صفرات

(اور کیوں کر میں غم سے نہ تڑپوں جبکہ) میں دیکھ رہا ہوں ان کا حق غیروں کو بانٹا جا رہا ہے اور یہ اپنے ہی حق سے خالی ہاتھ ہیں۔ اس شعر پر امام روئے اور فرمایا صدقت یا خزاعی سچ کہا اے خزاعی

فآل رسول اللہ نُحفٌ جسومهم　　　　وآل زیاد حفل القصرات

(کتنا عبرت ناک مقام ہے) آل رسول کے جسم تو فاقہ کرتے کرتے لاغر ہو جائیں اور آل زیاد کی گردنیں پر گوشت رہیں یعنی خوب موٹے اور توانا ہوں۔

بنات زیاد فی القصور مصونةٌ　　　　وآل رسول اللہ فی الفلوات

(ہائے افسوس) زیاد کی بیٹیاں تو اپنے محلوں میں محفوظ و مطمئن ہوں اور رسول کی آل جنگل بیابانوں میں (ویران ہوں)

اذا وتروا مدوا الی واتریهم　　　　اکفا عن الاوتار منقبضات

(حالانکہ یہ لوگ اتنے کریم النفس تھے کہ جب ان پر ظلم کیا گیا تو یہ اپنے ظلم کرنے والوں کی طرف انتقام سے درگذر کرنے کے لطف و کرم سے پیش آئے۔

اس شعر پر امام ہاتھ مل مل کے فرماتے تھے کہ اجل واللہ منقبضات سچ ہے خدا کی قسم ہم انتقام سے باز رہے

فلولا الذی ارجوہ فی الیوم او غدٍ　　　　لقطع قلبی اثرهم حسرات

(اب تو رنج و غم کا عالم یہ ہے کہ) اگر امام عصر کے آنے کی توقع آج یا آئندہ کے لیے نہ ہوتی پس اگر یہ امید نہ ہوتا (یعنی امام عصر) جس کی آرزو میں آج یا کل کے لیے کر رہا ہوں تو میرا دل فرط حسرت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

خروج امام لا محالة خارج　　　　علی اسم اللہ والبرکات

اور وہ امام کا ظہور ہے جو یقیناً ہو کر رہے گا جو امر الٰہی کے ساتھ دنیا کو برکت سے پُر کریں گے

یمیّز فینا کل حقٍ وباطلٍ　　　　ویجزی علی النعماء والنقمات

جو ہمارے امور میں حق و باطل کو جدا کر کے نعمت و نقمت کے ساتھ جزا و سزا دیں گے
(اب تو میرا[1] پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا صرف حکم جہاد کا منتظر رہے اور مجبوراً اپنے نفس کے ساتھ یہ
جہاد کر رہا ہوں کہ اسے ان منافقوں اور کافروں کے ساتھ جنگ کرنے سے روکے ہوئے ہوں
اور یہی جہاد میرا کیا کم ہے کہ فرط غضب سے آنسو رواں ہیں اور کچھ کر نہیں سکتا)

فیا نفس طیبی ثم یا نفس ابشری   فغیر بعید کل ما ھو آت

مگر نہیں اے نفس! تجھے مبارک ہو کہ تو جس کی امید ہے وہ وقت جلد آنے والا ہے۔

فان قرب الرحمن من تلک مدتی   واخر من عمری لطول حیاتی

بس اگر فضل الٰہی اسی زمانہ میں یا عمر کے آخری حصے میں بھی ہوا اور رحمت الٰہی نے ظہور کو
قریب کر دیا

شفیت ولم اترک لنفسی رزیۃ   ورویت منھم منصلی وقناتی

(تب بھی کیا ہے، میں تو اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا ہوں میرے لئے کوئی دشواری نہیں ہے۔
اس لئے کہ میں نے اپنے نیزہ و شمشیر کو ان سے خوب سیراب کر لیا ہے۔

فمن عارف لم ینتفع ومعاند   یمیل مع الاھواء والشبہات

کون حق شناس ایسا ہے جو ظہور امام سے) فائدہ نہ حاصل کریگا، اور دشمنوں کو تو شک و شبہ
لاحق ہوں گے ہی۔

قصارای منھم ان اموت بغصۃ   تردد بین الصدر واللھوات

(مگر امام کا ظہور میری زندگی میں نہ ہو سکا) تو حد سے حد یہی ہوگا کہ میں اس آرزو و امید
کے جذبہ سے گھٹ کے مر جاؤں گا جو دل و دماغ میں چکر لگا رہا ہے۔

کانک بالاضلاع قد ضاق رحبھا   لما ضمنت من شدۃ الزفرات

ع۱ ساقصر نفسی جاھدا عن جدالھم - کفانی ما القی من العبرات

اے مولا آپ کی حسرت دیدار کی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسوں نے دل کی وسعت کو تنگ کر دیا ہے۔

بس اب آرزوئے دید کی محرومی سے شدت انتظار میں دم گھٹا جاتا ہے۔

دعبل کا یہ قصیدہ یاقوت رومی کی معجم الادبا رطبعہ ۴ ص ۱۹۲ سے نقل کیا گیا ہے اس کی تشبیب اور دوسرے اکثر اشعار بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۴۷ سے لئے گئے ہیں اس میں اور اشعار بھی تھے جنکو بخوف طوالت نقل نہیں کیا ہے۔ دعبل کہتے ہیں کہ جب میں آستانہ امامت پر پہنچا اور زیارت سے مشرف ہوا تو فرمایا کہ جو کچھ تو نے کہا ہے وہ سنادے دعبل کہتا ہے کہ میں نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور جب میں پڑھتے پڑھتے ان اشعار پر پہنچا کہ بنات زیاد فی القصور مصونۃ الخ ہائے زمانہ آل زیاد کی بیٹیاں شاہی ایوانوں میں اور رسول کی آل جنگل بیابانوں میں کھلے سر۔

اذا وُتروا مدّوا الی اوترہم۔ الخ

جب ان پر ظلم کیا گیا تو یہ اپنے ظلم کرنے والوں کی طرف اخلاق کریمانہ کے ساتھ پیش آئے اور کبھی کوئی انتقام نہیں لیا

قصیدہ سن کر امام آنا فانا غش آگیا امام کے پاس جو خادم حاضر تھا اس نے مجھے چپ رہنے کا اشارہ کیا میں تھوڑی دیر چپ رہا پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا پھر وہی اشعار پڑھو میں نے پھر شروع سے پڑھے اور جب ان اشعار پر پہنچا تو پھر امام پر روتے روتے غشی طاری ہوئی اور پھر خادم نے مجھ سے چپ رہنے کو کہا میں پھر رک گیا اور پھر جب امام کو افاقہ ہوا تو پھر فرمایا کہ اعادہ کرو اور میں نے پھر شروع سے پڑھا اور جب مذکورہ اشعار پر پہنچا تو امام نے تین مرتبہ فرمایا۔ احسنت احسنت احسنت۔

نوٹ :- امام حسینؑ پر گریہ کرنے کی اہمیت کا ثبوت عمل امام سے اس طرح فراہم ہو گیا جسے کوئی ابطال بھی انکار نہیں کر سکتا یہ سمجھنا کہ ائمہ کا گریہ حسینؑ کے لئے تاکید کرنا اس بنا پر تھا کہ ان کے ارد گرد کی فضا مایوسی آمیز اور ماحول ہمیشہ غم آگین رہا لہذا وہ غطر نارونے رلانے کو پسند کرتے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے دو وجہوں سے اولاً یہ کہ اگر ایسا ہوتا تو چاہئے تھا کہ جو امام زیادہ مصائب میں مبتلا رہے وہ زیادہ گریہ و بکا کی تاکید کرتے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے امام موسیٰ کاظمؑ یا دردوسرے ائمہ کے فرمایشات رونے کے متعلق اس کثرت سے نہیں ملیں گے جیسے امام جعفر صادقؑ یا امام علی رضاؑ کے احادیث اس باب میں ملتے ہیں درآنحالیکہ امام رضاؑ ولیعہد رہے اور ایک عرصہ تک ان کے نام کا سکہ چلتا رہا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر رونا کوئی فریضہ اہم نہ ہوتا تو چاہئے تھا کہ ایسے مبارک موقع پر جب کہ ایک دوست کافی عرصہ کے بعد اس وقت ملا ہے جب حکومت قدموں پر سر اطاعت رکھے ہوئے ہے اور خاصی آزادی حاصل ہے تو اس وقت بجائے اس کے کہ رولا کے ماحول کو غم آگیں بنایا جائے ہنسی خوشی سے دیگر مسائل پر مسرت آمیز گفتگو ہوتی مگر ایسا نہیں ہوا

دعبل کہتے ہیں کہ امام نے حکم دیا کہ دس ہزار درہم لا کے دعبل کو دیدو۔ یہ وہی درہم تھے جو اس وقت رائج تھے جن پر امام کے نام کی مہر تھی اس کے بعد حکم دیا کہ گھر میں جو کچھ زیورات ہوں وہ بھی دیدو خادم نے ایک کافی وزنی اور بڑی گٹھری زیورات کی لا کر مجھے دیدی میں امام سے رخصت ہو کر عراق آیا اور وہاں امام کے شیعوں نے مجھ سے ایک ایک درہم دس دس دراہم کا خریدا اور میرے پاس ایک لاکھ درہم ہو گئے یہ پہلا مال تھا جس کی برکت کا میں معتقد ہوا اصفہانی نے آغانی کبیر میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ دعبل نے امام سے خواہش کی کہ مولا کوئی پارچہ اپنے لباس کا مرحمت فرمایئے تاکہ اسے کفن میں رکھوں امام نے فوراً اپنے دوش سے جبہ اتار کر دعبل کے حوالے کر دیا جب دعبل بارگاہ امام سے رخصت ہوئے

تو قم والوں کو یہ پتہ چل گیا کہ امام نے دعبل کو اپنی خاص عبا مرحمت فرمائی ہے چنانچہ ان لوگوں نے دعبل سے خواہش کی کہ تیس ہزار درہم لے لو اور یہ جبہ ہمیں دیدو دعبل نے انکار کیا اور جبہ کسی قیمت پر دینے کو راضی نہ ہوئے تو مجبوراً اہل قم نے انھیں راستہ میں گھیر کے جبہ تو ان سے چھین لیا اور کہا اگر آپ رقم لیتے ہیں تو لیجئے ورنہ خدا حافظ تو اسوقت دعبل نے کہا واللہ انی لا اعطیکموا ایاها طوعاً ولا ینفعکم غصباً واشکوا الی الرضیؑ خدا کی قسم خوشی سے یہ جبہ میں تمھیں دونگا نہیں اور اگر مجھے ناراض کر کے چھین لو گے تو تمکو جبہ سے کوئی فائدہ نہیں پہونچے گا اور میں امام رضا کی خدمت میں تم لوگوں کی شکایت کروں گا۔ بالآخر اہل قم میں اور دعبل میں اس بات پر مصالحت ہوگئی کہ دعبل کو تیس ہزار درہم اور جبہ کے اندر کا استر دیدیا گیا دعبل اس پر راضی ہو گئے اور اس کے بعد اس استر پر دعبل نے اپنا یہی سا قصیدہ لکھا مدارس الخ اور اسی کپڑے میں ایک مرتبہ احرام باندھا اور اس کے بعد وصیت کردی کہ اسی میں مجھے کفن دیا جائے۔

مامون نے شمع امامت بجھاکر ــــــ اور اندھیرا کردیا

کون نہیں جانتا کہ آفتاب ڈوب جانے کے بعد رات کی تاریکی سے سابقہ پڑتا ہے خدا نہ کرے کہ کبھی رات کے اندھیرے میں گھر بھر کو

روشن کرنے والا چراغ گل ہو جائے۔ یہ وہ نازک موقع ہوتا ہے کہ نابیناؤں کا تذکرہ نہیں روشن آنکھیں رکھنے والوں کو اپنے پاس کی چیزیں سجھائی نہیں دیتیں پھر اگر مامون سا سیاسی مدبر امام کی شمع حیات اپنے ہاتھوں سے گل کر کے متلون المزاجی کا شکار ہو کے امور مملکت کے انتظام میں متحیر ہو حق نظر آئے تو کونسا تعجب ہے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ جب مامون کو یہ اطلاع ملی کہ اہل بغداد نے بغاوت کی اور مجھے معزول کر کے ابراہیم ابن مہدی کی بیعت کر لی ہے تو وہ فوراً بغداد روانہ ہوا سرخس پہونچکر اس نے اپنے وفادار وزیر فضل ابن سہیل کو قتل کیا اور ان کے بعد ہی طوس میں امام رضا کو زہر آلود انگور کے ذریعے شہید کیا۔ اسی اثناء میں ہرثمہ ابن اعین کو بھی قتل کیا گیا ہے جس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے فہمائش کی تھی کہ ذرا بیدار مغزی سے کام لیکر شہروں کے حالات پر نظر کیجئے اور فوراً اصلاح کیجئے۔ مامون کے بغداد پہونچتے ہی ابراہیم ابن مہدی فرار ہو گیا اب بظاہر حالات ملک میں امن کی روشنی صبح کاذب کی سپیدی بنکر مامون کے سامنے رونما ہوئی اور دیکھنے والے مامون کے چہرے کی متانت سے سمجھے کہ اب شاید مامون کا دل بھی خطرات سے مطمئن ہو گیا مگر لب ساحل کی خاموشی اندرونِ سمندر کے متلاطم طوفانوں کو کب تک چھپا سکے گی۔ ابھی تک مامون سبز پوش تھا لیکن اس کے بعد ہی ۲۰۴ھ میں بخت کی سرسبزی کے ساتھ لباس سبز کو بھی اس نے خیرباد کہی اور بنی عباس کی کالی پوشاک سیاہ بختی کی طرح

اس کے جسم پر نظر آنے لگی اور اس تبدیلی کو ابھی کچھ ہی سال گذرے تھے کہ پھر گھبرا کر اس نے شیعت کی طرف مائل ہونا شروع کیا یہاں تک کہ ۲۱۲ھ میں اس نے حضرت علیؑ کو تمام خلفاء سے افضل ماننے کی ہدایت مملکت بھر میں نافذ کرا دی اور جا بجا اعلان کرا دیا کہ حضرت علیؑ میری نظر میں تمام خلفاء سے افضل و برتر ہیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جب مملکت جسم کے فرمانروا دل میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے تو اعضاء پر خود بخود بدحواسی طاری ہو جاتی ہے بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ بادشاہ متوحش نظر آئے اور رعایا میں بے چینی نہ پھیلے مامون کی یہ لڑکھڑاتی ہوئی چال ماتحت افسروں کے راہ سے بے راہ ہو جانے میں اور زیادہ معین ثابت ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یگانے بیگانے سب مامون کو غیر معتمد سمجھنے لگے۔ یہاں تک کہ فوج کے قائد اعظم طاہر ابن حسین ذوالیمینین نے بھی مامون سے انحراف کیا اور خراسان میں خطبہ سے مامون کا نام نکال دیا نیز اہل قم کو جب اس کی سیاہ پوشی کی اطلاع ملی تو انہوں نے تو ایک بار اس کو معزول بھی کر دیا تھا اور خراج دینا بالکل بند کر دیا یہ وہ بے اطمینانی اور متلون الحالی کا دور تھا جس میں ہزاروں مذاہب ایجاد ہو گئے۔ فرقوں کی کثرت پیدائش کا پوچھنا ہی کیا قدریہ معتزلہ جہمیہ وغیرہ سب اسی دور کے پروردہ آغوش فرقے ہیں قبیلہ نزاریہ و قحطانیہ کی قدیمی نزاع خواب زلیخا بنکر اسی دور میں پھٹی۔ مامون کی عنانِ اقتدار کا یہ عالم تھا کہ کبھی غیظ و غضب طاری

ہوا تو ایسا کہ معمولی خطا پر علی ابن جبلۃ العکوک کی زبان گدی سے کھنچوا لی
اور کبھی حلم کا عالم یہ کہ اپنے کانوں سے اپنی ہجو سنی اور خاموشی اختیار کی اس
دور میں ہمارا شاعر دعبل خزاعی اپنے مذہب و ملت کی حفاظت میں جان
کی بازی لگائے ہوئے تھا اسی موقع کے لئے اس نے کہا تھا کہ میں ساٹھ
سال تک اپنا سر ہتھیلی پر رکھے گھومتا رہا مگر کسی نے مجھے قتل نہ کیا۔

دعبل کا جہاد نفس

دعبل امام کی مقدس بارگاہ سے مال دنیا کے ساتھ ساتھ دولت عقبیٰ
سے مالا مال ہو کر ابدی قسم کی دولت سمیٹے ہوئے جب بغداد پہنچے ہیں
تو یہاں ابراہیم ابن مہدی کا دور دورہ تھا اور جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں
مطلب خزاعی ابراہیم کی بیعت لینے میں کوشاں تھے اور ہمارے شاعر نے
مطلب کی اس کجروی کو دیکھ کر ہم قبیلہ ہونے کی تہمت کو جذبہ حق گوئی سے
شکست دیکر چند اشعار مطلب کی ہجو میں کہہ ڈالے اور اس کے بعد اپنی
چشم حق بین سے حالات کا بغور مطالعہ کرنا شروع کیا۔ ابراہیم ایک بہت
بڑا موسیقی کا ماہر (بے نظیر گویا) اچھا خاصا ادیب اور مقبول قسم کا شاعر
تھا لیکن سوچا کیا جائے کہ تخت حکومت ایک اچھے خاصے سیاسی مدبر اور ماہر
حکومت انسان کو چاہتا ہے۔ پھر ابراہیم کے پاس مال و دولت کی کمی
بھی اچھی خاصی تھی اور فوجیں اسی کے بل بوتے پر کام کرتی تھیں لوگوں میں
اس سے ایک خاص قسم کی نفرت پیدا تھی بغداد کی رعایا خود اس سے ناخوش تھی

اگرچہ دعبل کے لئے بحیثیت شاعر اس کے عطایا سے مالا مال ہونیکا ایک بے نظیر موقع تھا مگر دعبل کا کردار وہ تھا جس کے سامنے کوئی قوت تاب مقاومت نہ لاسکتی تھی دعبل کا عمل پکار رہا تھا کہ۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی (اقبال)

دعبل مجتہد نہ تھا زاہد نہ تھا بلکہ ایک آزاد ضمیر شاعر تھا مگر قابل فخر ہے دعبل کا مثالی کردار کہ جس نے زمانہ کے سیلاب میں بہہ کے زبان و قلم کی گردشیں بدلنا نہیں سیکھا بلکہ زمانے کے بہتے ہوئے دھارے کی بپھری ہوئی موجوں سے جنگ آزما ہوکر زمانے کا رخ بدلنا تعلیم کیا۔ دعبل نے حالات کا جائزہ لیتے ہی رعایا کو تشفی دینے کے لئے ابراہیم کی زجر و توبیخ کے لئے کچھ اشعار کہے۔

یا معشر الاجناد لا تقنطوا وارضوا بما کان ولا تسخطوا

لشکریوں دیکھو مایوس نہ ہو جو ہو رہا ہے اسپر زیادہ ناراض نہ ہو۔

فسوف تعطون حنینیۃ تلتذھا الامرد والاشمط

یقیناً تمہارے لئے وہ خوشگوار موقع بہت جلد آرہا ہے جس سے ہر ادھیڑ و نوجوان لذت اندوز ہوگا درمیان کے اشعار چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

بیعۃ ابراھیم مشؤمۃ یقتل فیھا الخلق او یقحطوا

ابراہیم کی حکومت یقیناً منحوس ہے۔ یا اس میں قتل و غارت ہوگا یا قحط پڑے گا۔ ابراہیم ہی کے لئے دوسری ردیف قافیہ میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں۔

انّی یکون ولیس ذاک بکائن	یرث الخلافۃ فاسقٌ عن فاسقٖ
ان کان ابراھیم مطلعاً بہا	فلتصلحن من بعدہ لمخارق

(ابراہیم مہدی کی خلافت کیسے ہوگی)

یہ کہاں ہو سکتا ہے اور یہ کب ممکن ہو گا کہ خلافت میراث کی طرح ایک فاسق سے دوسرے فاسق کو ملتی رہے اگر ابراہیم خلیفہ رہ گیا تو یہ آبادیاں) ویران بنجائیں گی۔

یہ اشعار وہ تھے کہ جنھوں نے ابراہیم کو دعبل کا دشمن بنا دیا مگر ابراہیم کو اتنا وقت ہی نہ مل سکا کہ وہ اپنی حکومت میں دعبل سے بدلہ لے سکتا اگرچہ بعد میں کوشش کرتا رہا چنانچہ جس وقت مامون بغداد میں داخل ہوا ہے تو ابراہیم بھاگ کھڑا ہوا اور ہمارا شاعر دعبل بغداد میں منتظر تھا کہ مامون اب ہمارے ساتھ کیونکر پیش آتا ہے۔ یہ ضرور تھا کہ مامون کی شیعیت نوازی کا کچھ اثر دعبل پر تھا اور شہادت امام رضا ایسے مخفی عنوان سے عمل میں لائی گئی کہ عوام بلکہ سب لوگ یہی سمجھتے رہے کہ امام موت طبعی سے جاں بحق ہوئے۔ ورنہ دعبل سا شاعر اور اس مسئلہ میں خاموش رہ جائے نا ممکن بلکہ محال ہے خصوصاً جبکہ دعبل مامون کی سیاہ پوشاک دیکھ کے اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور ان کا پیمانہ ضبط چھلک اٹھا اور کچھ اشعار مامون کی ہجو میں کہہ ڈالے جس کو ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔ مختصر یہ ہے کہ جب مامون کو یہ اطلاع ملی کہ دعبل نے اچھے خاصے یہ اشعار ابراہیم کی ہجو میں کہے ہیں تو بہت خوش ہوا اور بعض حضرات

لکھتے ہیں کہ جب مامون نے اس قصیدہ تائیہ کے اشعار سے جو امام کی خدمت میں پڑھا تھا تو حیرت میں آگیا اور دعبل کے نام امان نامہ لکھا اور اس کے بعد خود بلوایا جب دعبل داخل ہوئے تو مامون نے مسکرا کے کہا کہ دعبل اگرچہ میں تمہارا مدارس آیات والا قصیدہ سُن چکا ہوں مگر دل چاہتا ہے کہ تمہارے منھ سے سنوں دعبل نے پڑھا اور مامون کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ مامون دعبل کی قدر کرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ابراہیم مامون سے مصالحت ہو جانے کے بعد ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ دعبل کو قتل کرا دے مگر مامون نے کوئی اثر نہ لیا۔

دعبل کی شیردلی

یہی زمانہ تھا کہ جب بنی نزار و قحطان کی قدیمی نزاع پھر پلٹ آئی اور دونوں قبیلوں کے افراد میں وہی تمیطہ جاتی تعصب عود کر آیا اس نزاع کی ابتدا کمیت ابن زید اسدی کے اسی قصیدہ سے ہوتی جس میں اس نے اپنی قوم بنی مضر کی بیحد تعریف و توصیف کی ہے اور ان کو بنی قحطان سے افضل ثابت کیا ہے جس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

الاحییت عنا یا مدینا — وہل ناس تقول مسلمینا

لنا قمر السماء و کل نجم — تشیر الیہ ایدی المہتدینا

لنا جل المکارم خالصات — وللناس القفا و لنا الجبینا

آگاہ ہو اے مدینہ کہ ہم نے تجھے حیات بخشی اور کیا لوگ ہمارے اسلام لانے والوں کے بارے میں زبان کھول سکتے ہیں ہمارے ہی (قبیلہ) میں وہ افراد ہیں جو آسمان

ہدایت کے چاند ہیں اور ہمارے فلک شرافت کا ہر نجم وہ ہے جس کی طرف ہدایت حاصل کرنے والے اشارے کرتے ہیں۔ ہمارے ہی لئے بلندیاں اور کرامتیں مخصوص ہیں ہماری طرف مخلوق کی پیشانیاں ہوتی ہیں اور دوسروں کی طرف پشت۔

یہ قصیدہ اچھا خاصہ بڑا ہے اسی نے قبائل عرب میں وہ جوش پیدا کردیا تھا کہ ہمیشہ بنی نزار یمن پر اور یمن والے بنی نزار پر فخر کیا کرتے تھے شہر و دیہات کا کوئی مقام باقی نہ رہا تھا اور بقول مسعودی زوال دولت بنی امیہ اس قصیدے کی پیدا کی ہوئی قبائلی عصبیت کا ایک کرشمہ تھی ہمارے شاعر دعبل کے عصر میں یہ عصبیت پھر اپنے پورے شباب پر آگئی تھی اور بڑے بڑے شعراء اس موضوع کو ضرور نظم کرتے رہتے تھے چنانچہ شہرہ آفاق شاعر ابونواس ایک تو قبیلہ یمانیہ کو افضل قرار دینے کے جرم میں گرفتار ہو کے قید رہ چکا تھا دعبل جیسا خوددار آدمی بھلا ایسے مواقع پر کب چپ رہ سکتا تھا چنانچہ اس نے بھی ابونواس ہی کا طرز اختیار کیا اگرچہ اس نے بنی نزار کی ہجو نہیں کی مگر پھر بھی کمیت کی رد اور اپنے قبیلہ کی تعریف سے خاموش نہ رہ سکا چنانچہ موافق تنوخی تین سو شعر کہہ ڈالے۔ ہم کو جو کچھ اشعار مل سکے وہ پیش کرتے ہیں۔

افیقی من ملامک یا ظعینا — کفاک اللوم مر الاربعینا
الم تحزنک احداث اللیالی — یشیبن الذوائب والقرونا
احی الغر من سروات قومی — لقد حییت عنا یا مدینا
فان یک آل اسرائیل منکم — وکنتم بالاعاجم فاخرینا
فلا تنس الخنازیر اللوانی — مسخن مع القرود الخاسئینا

بایلة والخلیج لهم رسومٌ　　واٰثار قدمن وما محینا
وماطلب الکمیت طلاب وتر　　ولکنّا لنصرتنا هجینا
لقد علمت نزار بان قومی　　الی نصر النبوة فاخرینا

ملامت کرنے والے اپنے نشۂ ملامت سے چونک۔ اب اس سے بھی زیادہ اور کیا ہوگا۔ کہ تجھ پر ہمیشہ زمانہ کی ملامت رہے۔ زمانے کے وہ لیل ونہار جو سر وگیسوؤں کو سفید کرکے بوڑھا بنا دیتے ہیں تجھے رنجیدہ نہ کر سکے جو اسقدر غرور بھری باتیں کر رہا ہے) تیری بلندیاں ہمارے سرداران قوم کے دم سے ہیں۔ بیشک تجھکو ہم لوگ بطور تحفہ پیش کیے گئے تھے چنانچہ اگر بنی اسرائیل تم لوگوں میں سے تھے (یعنی بنی نزار) اور تم ہمارے مقابلہ میں عجموں پر فخر کرتے ہو تو تمہیں اپنی قوم کے وہ لوگ بھی یاد ہیں جو (یوم البست) مسخ کرکے بندر بنا دیے گئے تھے۔ مقامات ایلہ اور خلیج عرصہ سے ہیں اور ابتک مٹے نہیں ہیں:۔
کمیت ابن زیاد نے یہ کوئی اور انتقام نہیں لیا ہے بلکہ ہم نے جو (رسول کی مدد کی ہے) اس کی بنا پر ہماری ہجو کی گئی ہے۔
بنی نزار خوب جانتے ہیں کہ ہم ہمیشہ نصرت رسول پر فخر کرتے رہے ہیں

دعبل کا غیظ وغضب

دعبل ایک خوددار کریم النفس، عزیز القول ہستی تھے مگر اس کے ساتھ ہی

زود گو بھی تھے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ صاحب آغانی ج ۸ ص ۳۰ پر احمد ابن عباس
عسکری کے حوالہ سے لکھتے ہیں احمد ابن خالد کہتا ہے کہ ہم لوگ ایک دن صالح ابن علی
کے گھر پر بیٹھے ہوئے تھے یہ مکان دعبل کے پڑوس میں ان کے گھر کے بالکل قریب ہی تھا
ہم لوگ سب آپس میں بے تکلف تھے ۔ دوستوں کی بزم تھی کہ اتفاقاً دعبل کے گھر کا
ایک مرغ اڑ کے ہم لوگوں کی نشست گاہ میں آگیا ۔ اب کیا تھا اللہ نے گھر بیٹھے
نعمت بھیجی ہم لوگوں نے فوراً اسے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے حلال کر کے پکوا لیا
اور خوب لطف سے کھایا صبح کو جب دعبل کو اطلاع ہوئی تو انھیں بڑا غصہ
آیا اور انھوں نے قریب ہی محلہ کی ایک آباد مسجد میں جمعہ کے بعد نماز صبح پانچ سات
شعر ہم لوگوں کی مذمت میں کہہ کے لوگوں کو سنانا شروع کئے جن کا پہلا شعر یہ ہے ۔

اسرالموذن صالح وضیوفه   اسرالکمی ھفا خلال المآقط ۔

خالد کہتے ہیں کہ میرے باپ نے جو سنا تو بہت ناراض ہوئے اور ہم لوگوں
کو ڈانٹا کہ تمھیں کہیں کوئی مرغی ہی نہ جڑتی تھی کہ دعبل کی مرغی ہضم
کر لی ۔ خالد کہتے ہیں کہ پھر ہم لوگوں نے کافی مرغیاں خرید کے دعبل کو نذر کیں
جب کہیں ان کا غصہ دھیما ہوا ۔

اسیطرح یہ ایک مرتبہ اپنے دوست علی ابن رزین عروضی کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ اتفاق سے
ایک دن بنی مخزوم کے ایک گھر میں ٹھہر گئے اس نے ان کی مہمان نوازی میں بڑی کوتاہی کی
دعبل کی نازک طبیعت بھلا اس بے اعتنائی کو کیونکر برداشت کرتی انھیں نے ۔

ایک شعر بنی مخزوم کی ہجو میں کہدیا۔ اور اس کے بعد اپنے دوست رزین عروضی سے
کہا تم کیوں چپ ہو ایک شعر ان حضرت نے بھی کہدیا۔

بنی مخزوم کا ایک بہت قدیم و مشہور شاعر جس کا نام عیسیٰ بن ولید اور عرفیت ابی سعد
مخزومی تھی اسکو جو پتہ چلا تو اس نے رزین کو چھوڑ دیا اور دعبل کو بری طرح جواب دیا
چنانچہ دعبل نے کمیت ابن زید اور بنی نزار کی جو رد کی تھی اسکو لیکر اس نے دعبل کو بدنام
کرنا شروع کیا کہ جو شخص کمیت و بنی نزار کی ہجو کر جائے اس سے بدتر کون ہے اور اسی طرح
بہت ہی رکیک عنوان سے دعبل کی ہجو کہی دعبل کے کان تک جو یہ خبر پہونچی تو دعبل
فرط غیض سے لال ہوگئے اور انھیں نے ایک نیا طریقہ ابی سعد مخزومی کی ہجو کا سوچا
اور بہترین ہجو وہی ہے جسے سنکے بے اختیار ہنسی آجائے انھیں نے کچھ لڑکوں کو
جمع کر کے ایک ایک جوڑا انھیں بانٹا اور اس کے بعد ایک شعر مضحکہ انگیز بازاری زبانیں
کہہ کے لڑکوں کو یاد کرادیا۔

بس اب نہ پوچھئے راستے گلی جدھر سے ابی سعد کا گذر ہوتا تھا لڑکے یہی شعر پڑھتے
ملتے رہتے تھے۔ خود بھی ابی سعد کہتا ہے کہ واللہ جدھر سے گذر ہوا بازاری لوگ
جاہل عوام اسکولی لڑکے ہر طرف یہ شعر پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں سے کچھ
ایسے تھے کہ مجھے پہچانتے تھے لیکن چونکہ شعر بالکل روزمرہ میں کہا گیا تھا لہذا ہر شخص کی
زبان پہ چڑھ گیا تھا۔

اس ہجو کا دائرہ دونوں میں اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ اب بنی مخزوم کا قبیلہ اپنی
رسوائی محسوس کرنے لگا چاروناچار بنی مخزوم نے بغداد میں جمع ہو کر یہ طے کیا کہ ابوسعد
کو مستند طور پر اپنے قبیلہ ہی سے نکالدو چنانچہ دستاویز لکھکر اس پر اہل قبیلہ کی گواہیاں

لی گئیں کہ ابو سعد قبیلہ بنی مخزوم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ابو سعد کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے غصہ میں آکر اپنی انگوٹھی پر نقش کرا لیا کہ ابو سعد عبد ابن عبد تبرّی مولا بنی مخزوم۔[1]

دعبل کا یہ غیض و غضب صرف اپنے امثال و ہمعصر شعراہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ بڑے بڑے شاہان عصر جن کے رعب سے زبان نطق گنگ ہو جائے دعبل وہاں بھی اپنے جذبۂ حق نوائی کو دبا نہ سکتے تھے، چنانچہ مامون سا بادشاہ ایک مرتبہ سیاہ لباس پہنے بیٹھا تھا کہ دعبل کا گذر ہوا دعبل دیکھتے ہی غضبناک ہو گئے اور اور فوراً ہجو میں کچھ اشعار کہہ ڈالے۔

انی من القوم الذین سیوفہم — قتلت اخاک وشرّفوک بمقعد

انّ التراث سہدا طلابہا — فاکفف سذاقک عن لعاب الاسود

لاتحسبن جہلی طلبہ الی فما — حلم المشائخ مثل جہل الامرد

شادوا بذکرک بعد طول خمولہ — واستہضوک من الحضیض الاوھد

ترجمہ) میں اس قوم سے ہوں جسنے تیرے بھائی کو قتل کر کے تجھے تخت پر بٹھایا (یاد رکھ) کہ خلافت کے صحیح وارث آج بھی بیدار ہیں لہذا اس سیاہ پوشی کا ذوق چھوڑ دے اور دیکھ میرے غیض کا مقابلہ میرے باپ کے حلیم سے نہ کرنا بڈھوں کی بردباری نوجوان کی جہالت و غصہ کے برابر نہیں ہوتی یہنے ہی تجھے ایک طویل گمنامی سے نکالکر عزیز کیا اور تجھے ایک عمیق پستی سے نکالکر بلندی پر پہنچایا۔

جب مامون نے یہ اشعار سنے تو صرف اتنا کہا کہ (خدا کی قسم جھوٹ کہا میں کب گمنام تھا خود خلیفہ خلیفہ کا بیٹا خلیفہ کا بھائی ہوں میں کب گمنام تھا جو دعبل نے مجھے بلند کیا۔

---

[1] ابو سعد بنی مخزوم سے بری ہے

دعبل کے دشمنوں نے ان اشعار کے ذریعہ مامون کو دعبل سے بدظن کرنے کی کوشش کی چنانچہ ابو سعد مخزومی کا مامون پہ زیادہ اثر تھا اور وہ اکثر مامون کو دعبل کے خلاف ابھارا کرتا تھا اور مامون ہمیشہ موضوع بدل دیا کرتا تھا اور کوئی اثر نہ لیتا تھا بلکہ یہ کہکے ٹال دیتا تھا کہ بیشک تم حق پہ ہو اور دعبل باطل پر ہے۔

انھیں جذبات کے ماتحت ابراہیم ابن مہدی نے مامون سے رسوخ بڑھا کر دعبل کو قتل کرانے میں کوشش کرنا شروع کی مگر مامون دعبل کا ایک شعر جو ابراہیم کی ہجو میں تھا ابراہیم کے منھ پر پڑھکے کہتا تھا کہ اس کے اس قول کی بناء پہ میں نے دعبل کو درگذر کیا۔

ابی سعد مخزومی اور دعبل کی ہجو بازی مامون کے عصر ہی تک نہ رہی بلکہ اس کے بعد بھی برابر بیت بازی ہوتی رہی چنانچہ دعبل کے فرزند علی اور ان کے چچازاد بھائی شیص نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہو۔

دعبل عصر معتصم و متوکل میں

سنہ ۲۱۸ھ میں جب مامون اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا تو معتصم تخت خلافت پر متمکن ہوا مامون کے مرنے کے بعد دعبل اٹھائیس سال اور زندہ رہے یہ دعبل کے بڑھاپے کا زمانہ تھا اس عمر میں جبکہ دوسرے انسان کسی باہمت کام کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو کر گوشہ گیری کی زندگی گزارنے لگتے ہیں ہمارے — شاعر دعبل کے جذبات حق نوازی و بلند ہمتی اس بڑھاپے میں بھی جوان ہی رہے۔ لیکن یہ زمانہ وہ تھا کہ دعبل کے لئے ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ نہ تھا معتصم ایک متعصب عیش پرست انسان تھا جس کے اردگرد صرف متعصب افراد نظر آتے تھے۔ انھیں چند دل سے

متاثر ہوکر دعبل نے معتصم کی ہجو میں اچھے خاصے اشعار کہے ہیں جن کے بعض شعر ہم پیش کرتے ہیں

بکی لشتات الدین مکتئب صب	وفاض بفرط الدمع من عینه غرب
وقام امام لم یکن ذا هدایة	فلیس له دین ولا لب
ملوک بنی العباس فی الکتب سبعة	ولم یأتنا عن ثامن لهم کتب
کذلک اهل الکهف فی الکهف سبعة	خیار اذا عدوا وثامنهم کلب
وانی لاعلی کلبهم عنك رفعة	فانك ذو ذنب ولیس له ذنب
لقد ضاع ملك الناس اذ ساس ملکهم	وصیف واشناس وقد عظم الکرب

مشہور یہ ہے کہ معتصم کے دور میں اسکی موت سے کچھ قبل دعبل نے گوشہ گیری اختیار کرلی تھی دعبل اپنے کو پوشیدہ کئے رہتے تھے اور اس پوشیدگی کے لئے متعدد اقوال ملتے ہیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں حکومت کے مخالف افراد سے دعبل ملتے جلتے تھے اور وہ لوگ انکی کافی خاطر مدارات کرتے تھے جب ۲۲۷ھ ہجری میں معتصم اس دار فانی سے اٹھا ہے تو دعبل نے اطمینان کی سانس لی جب یہ سنا کہ وزیر معتصم محمد بن عبد الملک زیات نے معتصم کا مرثیہ کہا ہے۔ جو یہ ہو کہ۔

قد قلت اذ غیبوه وانصرفوا	فی خیر قبر لخیر مدفون۔
لن یجبر الله امة فقدت	مثلك الا بمثل هارون،

جب دعبل نے یہ اشعار سنے تو بغیر کسی خاص تبدیلی کے دو شعر ہجو میں بطور معارضہ کہہ دیئے

اذهب الی النار والعذاب فما[ع۱]	خلتك الا من الشیاطین
ما زلت حتی عقدت بیعة من	اضر بالمسلمین والدین،

ع۱ (ترجمہ) جا دوزخ اور عذاب جہنم ہو تجھے میں تجھے شیطان سمجھتا تھا اور تیری بیعت کو اسلام کے لئے مضرت رساں

معتصم کے بعد واثق کی مدت خلافت صرف چار سال رہی اور واثق کے بعد ہی بنی عباس کے ظالم بادشاہ شیعیان علی پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے رہے یہ وہ دور تھا کہ جب دعبل پر زمین تنگ ہوگئی تھی اور ہر طرف سے دعبل کو متعدد پریشانیوں نے گھیر لیا اور پھر متوکل کے بعد دعبل کی طویل عمر وفا نہ کر سکی انشاء اللہ ہم ایک الگ باب میں دعبل کی وفات کے متعلق لکھیں گے۔

دعبل اپنے استاد مسلم سے ناراض ہوگئے

اس پر سب لوگ متفق ہیں کہ مسلم ابن ولید دعبل کے استاد تھے اور دونوں ایک دوسرے کے ہم سن تھے اس بنا پر تعلقات میں بھی دوستانہ بے تکلفی کی جھلک تھی مامون کے عہد حکومت میں مسلم جب خراسان جا کر اس کے وزیر فضل ابن سہل سے ملے ہیں تو اس نے انکا کافی احترام کیا اور کہا
(معاذ اللہ اس بڑھاپے میں آپ کی یہ زحمت) فرمائیے کیا حاجت ہے مسلم نے کچھ اشعار پڑھنا شروع کئے اور اس کے بعد جرجان کی گورنری کی خواہش ظاہر کی ان کے اشعار بہت پسند کئے گئے کافی انعامات بھیجے اور جرجان کا والی بنا دیا ہمارا شاعر دعبل جب خراسان میں امام رضاؑ کی خدمت میں شرف حضوری حاصل کر رہا تھا اسی زمانے میں مسلم سے بھی ملنے گیا۔
دعبل کو بجائے مسلم جیسے دوست سے کیا کیا توقعات تھے مسلم ہی وہ تھے جو دعبل کی ہر جلوت و خلوت میں دعبل کے شریک کار رہتے تھے ایک وہ دور بھی تھا جب مسلم و دعبل صرف

ایک ہی لباس رکھتے تھے جسے دونوں مختلف مواقع پر استعمال کیا کرتے تھے دعبل سمجھ رہا تھا کہ آج مسلم گورنر نہیں ہے بلکہ میں خود ہی جرجان کا حاکم ہوں آج میرا دامن زر و دولت سے مالا مال ہو جائے گا۔

مگر مسلم کے طرز عمل نے دعبل کی آرزوؤں پر پانی پھیر دیا مسلم اس موقع پر ایک تند خو اور خشک انسان ثابت ہوئے اور ہمارا شاعر رنجیدہ ہو کر مسلم سے یوں رخصت ہوا کہ اس کے بعد پھر کبھی ملاقات نہیں ہوئی چنانچہ دعبل نے اس واقعہ کو شکوہ بیوفائی اور نامرادی کے درد و غم بھرے جذبات کے ماتحت چند اشعار میں نظم بھی کر دیا ہے جس میں کے چند اشعار ہم تحریر کر رہے ہیں۔

غششت الهوى حتى تداعت اصوله   بنا وابتذلت الوصل حتى تقطعا
وانزلت من بين الجوانح والحشا   ذخيرة ود طالما قد تمنعا
فلا تعذلني ليس لي فيك مطمع   تمزقت حتى لم اجد فيك مرقعا
فهبك يميني استأكلت فقطعتها   وجشمت قلبي صبره فتشجعا

ان اشعار میں دعبل نے مسلم کی بے وفائی کا ایک مہذبانہ شکوہ کیا ہے اور کہا ہے کہ افسوس راز محبت کی وہ گرما گرمی ہی ذریعہ فراق بن گئی خود ہی محبت بڑھائی اور خود ہی قطع کر دی، بیشک دعبل کو جتنا بھی صدمہ نہ گزرتا وہ کم تھا اس لئے کہ دعبل کی سالہا سال کی آرزوؤں اور تمناؤں کا خون ہو گیا تھا دعبل کو خیال تھا کہ کل جس طرح ہم اور مسلم دونوں فقر میں ایک دوسرے کے سہیم و شریک تھے اسی طرح آج مسلم زمانۂ امارت میں بھی ہمیں اپنا شریک سمجھے گا مگر افسوس کہ مسلم کے برتاؤ نے دعبل کا کلیجہ خون کر دیا اور وہ دعبل شکستہ دل کبیدہ خاطر یہ طے کر کے اٹھے کہ اب آج کے بعد سے

مسلم کی صورت نہ دیکھوں گا اور ایسا ہی ہوا کہ اس کے بعد پھر مسلم و دعبل میں کوئی ملاقات نہ ہوئی

دعبل کا ذخیرۂ اشعار

دنیا کا کوئی علم بغیر مشقت اکتساب نہیں آتا، ریاضی۔ منطق۔ سائنس فلسفہ اقلیدس اور ان کے علاوہ اور جتنے بھی علوم ہیں ان کے لئے انسان محتاج ہے کہ وہ اس علم کے واقف کار اور ماہر افراد کے سامنے مدتوں زانوئے ادب تہہ کرے بخلاف شاعری کے اگر فطرت نے یہ امانت سپرد کر دی ہے تب تو شاعر ہے ورنہ تعلیم و تعلم کے آلات اس وادی میں بیکار نظر آتے ہیں اگرچہ شعر و شاعری کی زیب و زینت میں انھیں اتنا ہی دخل ہے جتنا ایک عروس کی سجاوٹ میں زیور کو۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ اکثر امّی افراد جو فطرتاً ذوق شاعری رکھتے ہیں ان کے اشعار بڑے بڑے مستند اور ماہرین شعرا کے اشعار پر سبقت لیجاتے ہیں یہی وجہ تھی کہ ہمارا شاعر دعبل اپنے عصر کے مشہور و ممتاز شعرا پر اپنی ——— کم عمری ہی میں فوقیت حاصل کرچکا تھا ایک طرف تو خود فطرت نے دعبل کو شاعر بنانے میں اپنی پوری فیاضی سے کام لیا دوسری طرف عصری تقاضوں نے دعبل کو تحصیل علوم پر مجبور کیا جیسا کہ ہم قبل میں تحریر کرچکے ہیں یہی تربیت و ماحول تو اس کا پوچھنا ہی کیا۔ مولد کوفہ جیسا ادب خیز مقام اور زمانہ بھی وہ پایا جو ہارون رشید جیسے علم نواز فرمانروا کا اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ مشیت نے پرورش کے لیے گود بھی دی تو علی ابن رزین جیسے مشہور شاعر کی گویا دعبل دودمان علم و ادب کا وہ شاداب پھول تھا جس نے چمنستان شاعری میں کھل کر کیف رنگ و بو

ورثہ میں پایا اور نسیم ادب کی ذوق پرور لہروں نے گہوارہ جنبانی کا فریضہ انجام دیا اب بھلا زمانے کی مخالف ہواؤں میں کیا دم تھا کہ دعبل سے اس فطری شباب رنگ و بو کو چھین لیتیں ہاں یہ ضرور ہوا کہ عصر نواز مورخین نے اپنے تعصب میں شاموں کو اس گل شاداب کی پوری پوری مہک سے محروم کر دیا گیتے افسوسناک تعجب کا مقام ہے کہ اتنا بڑا نامور شاعر جو اپنے سن طفولیت میں بقول صاحب آغانی اتنا باکمال ہو کہ اس کے بچپن کے چند لطیف شعر شاہیر روزگار شعرا کی موجودگی میں ہارون رشید جیسے نقاد کا دل کھینچ لیں بلکہ جس شاعر کے متعلق جاحظ یہ کہے کہ میں نے دعبل کو یہ کہتے سنا ہے کہ ساٹھ سال کے عرصہ میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جبکہ میں نے اشعار نہ کہے ہوں پھر یہ کہ جاحظ دعبل کا ہمعصر ہی نہیں بلکہ ہمسن بھی تھا دعبل کے بعد جاحظ صرف ۹ سال زندہ رہے جس میں چھ سال تو وہ گزرے جس میں جاحظ کی حالت موت سے بدتر تھی یعنی یہ کہ آخر میں چھ سال تک مفلوج رہے کہیں نکلنے بیٹھنے کے قابل نہیں تھے تو ان سے بڑھکے دعبل کے متعلق معلومات زیادہ صحیح کیسے ہو سکتے ہیں مگر جب ہم دعبل کے اشعار ڈھونڈتے ہیں تو صرف دو تین قصیدے یا کچھ تھوڑے اشعار جن میں اکثر ہجو پر مشتمل ہیں ہمارے ہندستان کے باشندے بھی یہ فیصلہ آسانی سے کر سکتے ہیں کہ یہاں بھی کوئی چھوٹے سے چھوٹا شاعر جبتک کم از کم تین چار سو اشعار نہ کہے اسوقت تک شاعر تسلیم نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ مسلم الثبوت شاعر ہونا پھر یہ کہ زیادتی عمر اور کثرت مشق کیساتھ ساتھ اشعار کی پختگی اور تخیل کی بلندی دن دونی رات چوگنی ہوتی جاتی ہے آپ میر انیس کے ابتدائی مرثیہ سے سن شباب کے مراثی کا مقابلہ کیجیے۔ مرزا دبیر، اقبال، غالب وغیرہ کے ابتدائی بچپن کے اشعار کو جوانی اور بڑھاپے کے اشعار سے ملائیے تو زمین آسمان کا فرق ملے گا۔

لیکن ہم اپنے شاعر دعبل کو جب بڑھاپے میں خود انکا یہ شعر انکو پڑھتے ہوئے سنتے ہیں کہ این الشباب و ایّۃ سلکا اور پوچھنے والے پوچھتے ہیں کہ یہ شعر کب آپ نے کہا تھا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ ہم نے اب سے ستر سال پہلے کہا تھا، یعنی اب سے ستر سال پہلے کے اشعار وہ تھے کہ جنکو سن کر ہارون رشید سا بادشاہ حیرت میں آگیا تھا اور غیر معمولی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آیا تھا تو اب اہل انصاف فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دعبل کے زمانۂ شباب اور اس کے بعد کے اشعار کتنے بلند پایہ تھے۔ مگر افسوس کہ دعبل کے وہ معرکۃ الآرا اشعار و قصائد جن کا ذخیرہ شمار کی حدوں سے بلند ہوگا وہ ہم تک نہ پہنچ سکے لیکن پھر بھی جتنے اشعار ہم تک پہنچ سکے وہ ضرور ایک حد تک ہم کو دعبل کی شاعرانہ شخصیت کے متعلق کچھ نہ کچھ سمجھنے کا موقع دیتے ہیں اگرچہ ہمکو دعبل کی شاعری کے سلسلے میں زیادہ تر ان کے ہمعصر شعرا کے اقوال و روایات ہی پر اعتماد کرنا ہے

دعبل گانے کے شوقین نہ تھے

دعبل کے ابتدائی زمانے میں اگرچہ ابو نواس کی شخصیت بھی کوئی معمولی نہ تھی لیکن ان کے غیر سنجیدہ طرز نے انھیں کافی حد تک بدنام کر رکھا تھا۔

بخلاف مسلم کے کہ یہ اولاً تو جدید طرز کی بنا پر جس میں علم بدیع کوٹ کوٹ کے بھرا ہوتا تھا کافی مرکزیت حاصل کر چکے تھے دوسری چیز جوان کو اور شعرا سے کافی حد تک ممتاز کرکے انکا وقار قائم کئے ہوئے تھی وہ انکی احتیاط اور سنجیدگی تھی جس کی بنا پر یہ ہمیشہ عوامی جذبات کی قابل غنا شاعری سے گریز کرتے رہے اور کبھی سوقیانہ انداز انکی لطافت آمیز شاعری کی سرحد میں داخل نہ ہو سکا۔ اگرچہ لوگ انکو (صریع الغوانی) بھی کہہ بیٹھے مگر یہ خود ہمیشہ غنا اور گانے کو ناپسند کرتے رہے اور شوق کے پر ہوس جذبات سے اپنی سنجیدہ شاعری کو محفوظ رکھتے ہیں ہمیشہ اپنی برارت ظاہر کرتے رہتے تھے

چنانچہ خود کہتے ہیں ؎ لا تدع بی الشوق الی غیر معمود فہی النہی عن ہوی الغید الا باطیل

مجھسے ہوس ناک شوقیہ شاعری کی توقع نہ کرو اس لئے کہ عقل نرم و نازک گل اندا موں کی ہوس سے روکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سنجیدہ طبقوں میں مسلم بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے چنانچہ فضل ابن سہیل وزیر مامون نے تو اسوقت انھیں جرجان کی گورنری دیدی تھی جبکہ ابی نواس کی حالت بہت زیادہ گری ہوئی تھی، یہی کچھ وجوہات تھے جنکی بنا پر ہمارے شاعر دعبل کی نظر انتخاب نے مسلم کو چنا تھا، مسلم بڑھاپے میں جرجان کے گورنر ہوئے تھے جب ہمارے شاعر دعبل ان سے کشیدہ خاطر ہو کے چلے آئے تھے لیکن چونکہ یہ دونوں ہمسن تھے جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں اسی بنا پر ان دونوں استاد شاگردوں نے اپنا بچپن و شباب ایک ساتھ نہایت یگانگت کی فضا میں گزارا وہ خواہ مجلس راز ہو یا محفل احباب دونوں ایک دوسرے کے ساتھی نظر آتے ہیں ایسی حالت میں یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلم تو غنا اور سوقیانہ جذبات سے اپنی برائت ظاہر کرتے رہیں اور دعبل نے معاذ اللہ اس لئے شعر کہے ہوں کہ لوگ انھیں گلی کوچوں میں گاتے پھریں خصوصاً جبکہ دعبل بچپن سے فدائے شیعیت اور شیدائے اہلبیت رہے ہوں وہ بھلا اپنے ممدوحین و محبوبین کو یہ کیسے ممکن تھا کہ اپنے اس برے عمل سے ناراض کر دیتے پھر امام رضاؑ کا انکی تعظیم و تکریم کرنا یہ خود دعبل کی حقانیت و طہارت قلب کی سبب سے بڑی ذمہ داری ہے لہذا اگر ہمیں ابن جامع یا ابن مکی دربار ہارونی میں انکے بعض اشعار گاتے ہوئے ملتے ہیں تو اس سے ہم دعبل کو مورد الزام کیسے قرار دے سکتے ہیں اسی طرح دعبل کیلئے یہ قول کہ انکے دو غلام جو اچھے خاصے گویے تھے وہ انھیں گانا سنایا کرتے تھے دعبل کی مذہبیت اور ان کے استاد مسلم کی غنا سے نفرت اور ان دونوں استاد شاگردوں کا ایک عمر تک سگے بھائیوں کی طرح محبت بھرا

زندگی گزارنا یہ چیزیں دعبل کے لئے شوق غنا کی نسبت کو پوری قوت سے روک رہی ہیں اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ حق گوئی اور محبت اہلبیت کے جرم میں دعبل کو خبیث اللسان اور قبیح الھجاء کے رکیک خطابات سے یاد کرنا دعبل کی روح کو اتنا بے چین نہ کر سکیگا جتنا انکی طرف شوق غنا کی نسبت ان کو تڑپا رہی ہوگی :-

دعبل کا مسلک شاعری

ہم نے بتایا تھا کہ مسلم کی شاعری پر فن بدیع اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چھایا رہتا ہے اور مسلم اس جدید طرز میں کافی شہرت حاصل کر چکے تھے مگر ہمارا شاعر دعبل مسلم کے طرز شاعری سے متاثر نہ ہوا بلکہ اس کی شاعری عصر قدیم کی بے تکلفانہ سادگیوں سے مالامال نظر آتی ہے اس کے یہاں آورد اور تکلف نام کو نہیں ہے ، اگرچہ اس کے بعض اشعار میں تشبیہات و استعارات اس بے تکلفی سے آجاتے ہیں کہ باذوق مخاطب کی زبان سے بے ساختہ احسنت نکل جاتا ہے چنانچہ ایک موقع پر حضرت علیؑ کی مدح میں کہتا ہو کہ :-

کأن سنا نہ ابلی اضمیر ۔۔۔ فلیس لہ عن القلب انقلاب
وصار مہ کبیعتہ بخُمٍّ ۔۔۔ فھو ضعھا من الناس الرقاب

(ان کے تیز و دھار دار نیزے کی) اَنی کیا ہے ایک راز ہے جو ہمیشہ (کافروں) کے دل ہی میں بیٹھتی ہے ، ان کی کاٹ دار تلوار ہے یا غدیر خم کی بیعت جو تمام اعضاء کو چھوڑ کے ، گردنوں ہی پر رہتی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح راز صرف دل ہی میں رہتا ہے اسی طرح ان کے نیزے کا پھل ۔ اور جس طرح رسول نے غدیر خم میں خلافت حضرت علی کی بیعت لوگوں کی گردنوں میں ڈال دی اس طرح ان کی ذوالفقار ہر گردن کہ وہ بھی صرف گلے ہی کاٹتی ہے ، انتخاب بے نظیر اور اچھوتی تشبیہ جو نثر میں تین چار سطروں سے کم نہ ہو وہ دعبل

نے چھوٹی سی بحر کے دو شعروں میں اس سادگی سے رکھ دی ہے کہ بے اختیار دل تڑپ اٹھتا ہے کاش یہ دو شعر جس بلند قصیدے کے ہیں وہ بھی تاریخ محفوظ رکھ سکتی تو آج یہ علم و ادب کا ایک گرانقدر سرمایہ ہوتا۔ (یہ دو شعر میری نظر میں دعبل ہی کے معلوم ہوتے ہیں اگرچہ ان کی نسبت دوسروں کی طرف بھی دی گئی ہے)۔

عبد اللہ ابن طاہر ایک مرتبہ مامون رشید کے پاس بیٹھے دعبل پر کچھ تعریض کر رہے تھے کہ مامون نے مسکرا کے پوچھا (اچھا تمھیں دعبل کے کچھ اشعار بھی یاد ہیں) عبد اللہ ابن طاہر بولے کہ ہاں اہل بیت امیر المومنینؑ کے متعلق مجھے کچھ اشعار یاد ہیں مامون نے کہا ارے کچھ شعر سہی اس وقت سناؤ تو۔ عبد اللہ نے پڑھنا شروع کیے۔

سقیاً و رعیاً لایام الصبابات	ایام ارفل فی اثواب لذاتی
ایام غصنی رطیب من لبانته	اصبو الی غیر جارات و کنات
دع عنک ذکری زمان فات مطلبه	واقذف برجلک عن متن الجهالات
واقصد بکل مدیح انت قائله	نحو الهداة بنی بیت الکرامات

کیا کہنا بچپن کا زمانہ بھی کتنا مبارک زمانہ تھا جب کہ میں اپنے لباس عیش و آرام میں اکڑتا پھرتا تھا وہ زمانہ جب میری شاخ (زندگی) طفلانہ خواہشات سے تر و تازہ تھی جو محدود چہار دیواریوں کو چھوڑ کے (بلندیوں) ہی کی طرف جاتی تھی۔

(کب تک داستان ماضی دہرائے گا) چھوڑ بھی اس کے ذکر کو جس کا پانا محال ہے ٹھکرا دے جہالت آمیز باتوں کو، جب بھی مدح کرنے کا ارادہ ہو تو ان ہادیوں اور رہبروں کی مدح و ثنا کیوں نہ کرے جو باکرامت گھروں کے رہنے والے ہیں (یعنی اہلبیت رسولؐ)

دعبل کی شاعری میں آورد و تکلف کہیں نام کو نہیں پایا جاتا، یہی وجہ تھی کہ ابی تمام طائی تو اسماء وغیرہ کے عصر میں اہل نظر کے نزدیک جو حیثیت دعبل کی تھی اس تک ابی تمام کو بھی رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ دعبل شاعری میں طرز قدیم کے پیرو تھے اور ابی تمام کے یہاں بدیع کے تکلفات کافی ہوتے تھے اور وہ طرز جدید کے پیرو تھے۔

طرز جدید و قدیم کا فرق:۔ امرا القیس، اعشیٰ، عمرو بن کلثوم تغلبی وغیرہ قدما شعراء کے یہاں سادہ اور سلیس زبان کے ساتھ صرف سادے سودے جذبات اور بے تکلفانہ طرز کے تشبیہات ہی ہوتے تھے، یہ ہے مسلک قدیم، اور طرز جدید کی شاعری میں جذبات کو ایسے الفاظ کے ساتھ اشعار میں پیش کرتا جو گوناگوں صنایع اور بدایع سے آراستہ ہوں جس کی مثال متنبی کے یہاں زیادہ پائی جاتی ہے، اس مسلک کے سالک اکثر تکلفات و بناوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی شاعری میں وہ کیف باقی نہیں رہتا خصوصاً مبالغہ کی فراوانی اکثر اشعار کو حقیقت سے بہت دور کر دیتی ہے۔

ہمارے شاعر دعبل کی شاعری ظاہری بناوٹ و تکلف سے ہمیشہ بری رہی یہاں تک کہ انھیں نے اپنے استاد مسلم سے بھی کوئی اثر نہ قبول کیا۔

اسی بناء پر بحتری دعبل کا بڑا احترام کرتا تھا چنانچہ اس کا قول موجود ہے کہ:۔

دعبل ابن علی اشعر عندی من مسلم و مذہبہ اشبہ بمذہب العرب۔

(ترجمہ) شاعرانہ لحاظ سے دعبل میری نظر میں مسلم سے افضل ہے اور اس کا مسلک دیگر شاعروں سے بہتر ہے۔

یہ نظریہ صرف بحتری ہی کا تھا بلکہ اکثر صاحبان علم و اہل نظر دعبل کو ترجیح دیتے تھے،

چنانچہ جس طرح علماء و صاحبان علم کو وہی سے چنے جاتے تھے اسی طرح فن ادب کی تعلیم کے لیے بھی لوگ دعبل ہی کو زیادہ منتخب کرتے تھے اور اکثر چھوٹے چھوٹے شعراء دعبل کے حلقہ تلمذ میں شامل ہوتے تھے۔

گویا دعبل مرکز اہل ادب بنے ہوئے تھے سوائے ان چند شاعروں کے جن کو دعبل سے فطرتاً ایک قسم کا طبعی اختلاف تھا جیسے ابی تمام کہ اولاً تو نظریہ کا فرق یعنی یہ مسلک جدید کے پیرو تھے دوسرے ہمعصرانہ لاگ ڈانٹ اس کے علاوہ ابی تمام فطرتاً زمانہ پرور تھے جس کی بناء پر وہ کافی خوش حال تھے، جس بادشاہ کے یہاں پہونچے اس کے بندۂ بے دام ہو گئے چنانچہ جب معتصم کے دربار میں پہونچے تو ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور انھیں نے بھی معتصم کو خوش کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

بخلاف دعبل کے کہ یہ ایک غریب و خوددار اور اس پر طرہ یہ کہ ڈنکے کی چوٹ پر اپنی شیعیت کا اعلان کرنے والا اور زمانہ معتصم و متوکل جیسے فرمانرواؤں کا، دعبل و معتصم کے تعلق کا یہ عالم تھا کہ اگر معتصم پا جاتا تو دعبل کی اہانت و رسوائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا۔ اور دعبل نے بھی جذبۂ شیعیت سے مجبور ہو کے معتصم کو بغیر ہجو کیے نہیں چھوڑا بخلاف ابی تمام کے کہ یہ ہمیشہ دست ادب جوڑے معتصم کی غلامی کا دم بھرا کرتے تھے اور اس کی مدح میں اشعار کہہ کہہ کر گایا کرتے تھے، چنانچہ جس وقت محمد بن حمید طوسی کا انتقال ہوا ہے تو ابی تمام نے اپنے مشہور رائیہ قصیدہ کے ذریعہ اس کا مرثیہ کہا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

کذا فلیجل الخطب ولیفدح الامر   فلیس بعین لم یفض ماءھا عذر

(ترجمہ) مصائب و آلام کو چاہئے کہ عظیم تر ہو جائیں اس لیے کہ آج کوئی آنکھ ایسی نہیں جو اشکبار

ہو، چنانچہ جس وقت دعبل کو معلوم ہوا تو انھیں نے طرز قدیم پر اسی بحر میں کافی اشعار کہہ کے ابی تمام کے ایک ایک شعر کی جوابی انداز میں مطابقت کی ۔

جس کی اطلاع پاکر ابی تمام بے حد متاثر ہوا اور دعبل کے لیے موقع و محل کی تلاش میں رہا اسی بنا پر جب دعبل نے ابو نصیر ابن حمید طوسی کی اپنے قصیدہ میں ہجو کی ہے

انی ھزرتک لا الودی مجتھدا ۔ لو کنت سیفا ولکنی ھزرت عصا

تو ابی نصیر نے ابی تمام سے مدد حاصل کی اور یہ دونوں قبیلہ بنی طئی سے تھے چنانچہ باوجود یہ کہ ابی تمام کو ہجو میں کوئی خاص دخل نہیں ہے لیکن پھر بھی اس نے دعبل کو جواب دیا

وما ونل المشیب علیک الا باخلاق الدنائۃ والوضاعۃ

(ترجمہ) تیرا بڑھاپا نہیں آیا مگر یہ کہ بد اخلاق و بدنفسی کو لے کر ۔

مناسب طئی قسمت ذرعیھا فلیست مثل نسبک المتاعۃ

یعنی طئے کے نسب والوں کی خلقی تجی تقسیم کردی گئی لہذا تیری جیسی بری نسبت کسی کی نہیں ۔

ودوح منکبیک ففتی اعیین ا حطاما من زحامک فی خزاعۃ

تو نے گھس پل کے شامل ہونا چاہا اور بالآخر گر پڑ کے بنی خزاعہ میں رہ گیا چنانچہ جب دعبل کو اطلاع ملی تو اس نے ابی تمام کی تردید کی اور یہ شعر کہے ۔

؟ انظر الیہ والی ظرفہ کیف تطایا و ھو منشور

ویلک من ولاک فی نسبۃ فلیک منھا الدھر منذ عور

لو ذکرت طئی علی فرسیخ اظلم فی ناظرک النور

(ترجمہ) ذرا ابی تمام اور اس کے ظرف کو دیکھو کہ کیسی تنگ ظرفی دکھا رہا ہے باوجود یکہ

ظرف وسیع ہے یعنی ایسے بلند خاندان سے ہو کے اتنی دنائت دکھا رہا ہے افسوس ہے نہ جانے کس نے تجھے اس نسب کو بتا دیا جس سے تیرا دل ہمیشہ لرزتا رہا دیسی جس کی شجاعت کے اگر ایک فرسخ سے بھی بنی طی کا ذکر تیرے کان تک پہونچ جائے تو تیری نظروں میں دنیا اندھیر ہو جائے۔ تعجب آپس کی رنجشوں سے واضح ہو گیا کہ ابی تمام اور دعبل میں بالکل اصفائی نہ تھی۔ دونوں اختلاف مسلک کی بنا پر ہمیشہ ایک دوسرے سے رنجیدہ رہتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ پوری حماسہ اٹھا کے دیکھ جائیے آپکو غیر معروف پردہ نشین عورتوں کا کلام ملے گا ایسے شعرا کے اشعار ملیں گے جن کا تعارف خود اُن کے اہل وطن تک کو حاصل نہ تھا بلکہ وہ لوگ جن کا نام خود مولف حماسہ جناب ابو تمام صاحب کو بھی معلوم نہ تھا ان کے اشعار بھی (وقال آخر) کے نام سے نقل ہیں مگر نہیں ہے تو شعر دعبل جس کو بحتری اشعر الشعرا کہتا ہے بڑی تلاش کے بعد صرف دو جگہ جناب دعبل کا نام نظر آیا ایک تو باب الملح میں جہاں قیل کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی بعض کا خیال ہے کہ یہ کلام دعبل کا ہے۔ میرا ذاتی خیال بھی یہ ہے کہ یہ اشعار اپنی مہملیت کی بنا پر دعبل جیسے بلند خیال شاعر کے نہیں ہو سکتے اور دوسری جگہ باب المراثی میں چند اشعار جناب دعبل کے مذکور ہیں جو آپ نے اپنے چچازاد بھائی کے مرثیہ میں کہے تھے جن کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کیوں ابو تمام اور دعبل میں چھنتی رہتی تھی اور دعبل کا مقام فن شعر گوئی میں کیا تھا چنانچہ وہ اشعار ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ شاعر آل محمد فرماتے ہیں

فکانت خزاعة ملاء الارض ما اتسعت ۔ فقص مر اللیالی من حواشیها

ترجمہ قبیلہ بنی خزاعہ کی کثرت آبادی سے یہ چوڑی چکلی زمین بھی اپنی وسعت

تمیت جھلک اٹھی تھی (ہائے زمانہ دیکھ نہ سکا) لہذا اس کی گذرنے والی راتوں نے
اس کے اطراف کو چھاٹنا شروع کیا۔

اضحیٰ ابوالقاسم الثاوی ببلقعۃ ۔ تسفی الریاح علیہ من سوافیہا

افسوس ابوالقاسم بے آب وگیاہ میدان میں پڑا ہوا ہے اور اس پر غبار آلود ہوائیں
خاک اڑا رہی ہیں۔

ھبت وقد علمت ان لا ھبوب بہ ۔ وقد تکون حسیرا اذ یبادیھا

ہوائیں چلیں اور یہ سمجھ کے چلیں کہ اب (ابوالقاسم) بیدار نہیں ہو سکتا ورنہ
یہی ہوائیں اس کے وجود کرم کے مقابلہ میں اکثر تھک کے رک رک گئی ہیں (یعنی
ہوا کی فیاض طبیعت بھی اس کی ہوائے کرم سے بازی نہ لے جا سکتی تھی)

اضحی قری للمنایا رھن بلقعۃ ۔ وقد تکون غداۃ الروع یقریھا

(ہائے ابوالقاسم سا بہادر) موت کا مہمان ہو کے چٹیل میدان میں گروی پڑا ہے
ورنہ یہ تو اکثر صبح جنگ (دشمنوں کے ذریعہ) خود موت کی ضیافت کیا کرتا تھا (یعنی
دشمنوں کے خون کرکے موت کی ضیافت کیا کرتا تھا)

دعبل کے یہ وہ اشعار تھے جنہیں ان کا دشمن ابوتمام بھی اپنی کتاب میں جگہ دینے
پر مجبور ہو گیا باب النسیب ۔ ہجاء ۔ غزل ۔ حماسہ ۔ مدائح اور کہیں بھی دعبل
کا ایک شعر بھی ابوتمام گوارا نہ کر سکا اُسے شاعر آل محمد کی ذہنی کرامت کا اثر نہ سمجھوں
تو اور کیا کہوں۔ باوجودیکہ دعبل کے کلام میں بدیع کی سجاوٹیں نہیں ہوتیں لیکن
پھر بھی طرز ادا کی سادگی نفسیاتی پہلو اور روز مرہ کے ساتھ بے تکلفانہ تشبیہات
کی آمد نے دعبل کے مدحیہ قصائد و تشبیب آمیز قطعوں کو اس منزل پر پہونچا دیا

ہے جسے زمانہ فنا نہیں کرسکتا جن کا ایک ایک شعر قلبی واردات کی وہ بے نظیر ترجمانی کرتا ہے جسے انسان بے اختیار تڑپ اٹھتا ہے چنانچہ ہم دعبل کا ایک قطعہ پیش کرتے ہیں جو عربی شاعری کے نام کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گا اور خود دعبل کو زندہ رکھے گا۔

المر ان للسفر الذین تحملوا ۔ الی وطن قبل الممات رجوع
فقلت ولم املک سوابق عبرة ۔ نطقن بما ضمت علیہ ضلوع
تبین فکم دار تفرق شملہا ۔ وشمل شتیت عاد وھو جمیع
کذاک اللیالی صرفھن کما تری ۔ لکل اناس جدبة وربیع

(ترجمہ) دل سے مخاطب ہو کے کہتا ہے ہائے افسوس ! میرے وہ دوست جو سفر میں ہیں کیا انھیں موت سے پہلے اب وطن پلٹنا نصیب نہ ہوگا۔

میں نے کہا اور فرط غم سے عالم یہ تھا کہ دل کے چھپے ہوئے راز کو کہہ ڈالنے والے بہتے ہوئے اشکہائے عبرت بھی سوکھ گئے تھے۔

دیکھا کہا آج تم ہی جدا نہیں ہو رہے ہو نجانے کتنے آباد گھر تھے جن کے شیرازے بکھر گئے۔ اور کتنی جمی جمائی محفلیں تھیں جنھیں پراگندگی نے ویران کرڈالا۔

اور تم دیکھتے بھی ہو کہ زمانے کے لیل ونہار کا دستور ہی یہی ہے) بیشک ہر انسان کے لئے خزاں وبہار دونوں ہی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک زبان کا ترجمہ کرنا دوسری زبان میں اس کے خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہے دعبل نے اس قطعہ میں پر حسرت جذبات کی جو بے نظیر منظر کشی کی ہے ہم اسے کما حقہ اس کے خصوصیات سمیت پیش نہیں کرسکتے مسافر

دوستوں کے دیدار کی تمنا۔ وطن میں پلٹنے کی آرزو نیز وقت وداع کی حسرت خاموش آنسوؤں کو زبان دل بنا کے ناطق قرار دینا اور اس کے بعد غم بے پایاں کی فراوانی میں اشکوں کے خشک ہو جانے کو یہ حسرت خاموشی سے تعبیر کرنا جانے والوں کو حسب دستور اپنے دل کے ساتھ یہ کہہ کے دلاسا دینا کہ کوئی محفل دنیا کی ویرانی سے بچی ہی نہیں اور اس کے ساتھ جدبہ و بہیج (خزاں و بہار) کے محاورہ کو برمحل لانا یہ ایسی چیزیں ہیں جو ایک حساس دل کے لیے تازیانۂ عبرت کا کام کرتی ہیں۔ یہ ایسے نفسیاتی پہلو ہیں جو انسان کی روزمرہ کی زندگی میں رونما ہوتے ہی رہتے ہیں ایسے اشعار ذہن انسانی میں جاگزیں ہو کے رہ جاتے ہیں اور انسان جب اس قسم کا کوئی منظر دیکھتا ہے تو فوراً حافظہ ان اشعار کو پیش کر دیتا ہے اور انسان خود بخود محو ترنم ہو جاتا ہے چنانچہ ماموں جیسا نقاد فن خود کہتا ہے کہ دعبل کے یہ اشعار جب سے میں نے سنے ہیں میرا کوئی سفر اور وقت وداع اور وطن سے دوری ایسے مواقع نہیں پیش آتے مگر یہ کہ مجھے دعبل کے یہ اشعار ہر وقت یاد آتے رہے۔

یقیناً دعبل میں وہ خداداد شاعرانہ صلاحیتیں تھیں جن تک دوسرے شعرا کا پہونچنا دشوار تھا خواہ تشبب ہو یا مدح، مرثیہ ہو یا کوئی ہجو دعبل اپنی سادگی ادا میں ہمیشہ ممتاز رہے ہم یہاں دعبل کے چند اشعار اور پیش کرتے ہیں جن میں امام حسین کا مرثیہ ہے اور ہجو یاقوت رومی کی معجم الادبا سے لیے ہیں۔

رأس ابن بنت محمد ووصیہ ۔ یا للرجال علی قناۃ یرفع

ہائے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو بنت رسول اور وصی محمد مصطفیٰ کے فرزند کا سر مبارک نیزے پہ بلند کیے ہیں۔

والمسلمون بمنظر و بمسمع ۔ لا جازع من ذا و لا متخشع

ہائے یہ کیسے مسلمان ہیں جو اس دردناک منظر کو سن کر بلکہ دیکھ کر بھی غم سے فریاد و فغاں نہیں کرتے ۔

ایقظت اجفانا وکنت لہا کری ۔ وانمت عینا لم تکن بک تہجع

اے مولا آپ کی شہادت نے دوستوں کی ان آنکھوں کی نیند اڑا دی جو آپ کے وجود سے مطمئن ہو کے محو خواب تھیں اور دشمنوں کی ان خوفزدہ آنکھوں کو محو خواب کر دیا جو آپ کے وجود سے ہمیشہ ہر وقت جاگا کرتی تھیں ۔

کحلت بمنظرک العیون عمایۃ ۔ واصم نعیک کل اذن تسمع

اے مولا آپ کے غمناک منظر سے آنکھیں اندھی ہو گئیں اور آپ کی خبر شہادت سے کان بہرے ہو گئے یعنی آنکھیں تاب ضبط نہ لاکے بینائی کھو بیٹھیں اور کان خبر شہادت کی سماعت کا تحمل نہ کر کے بہرے ہو گئے ۔

ما روضۃ الا تمنت انہا ۔ لک مضجع ولخط قبرک موضع

کون سا چمن ہے جسے آپ کی خوابگاہ یا فرش مرقد بننے کی آرزو نہ ہو ۔

دعبل کے تشبیہات میں نزاکت ضرور ہوتی ہے مگر وہ دور از کار تشبیہیں اور ذہن سے بعید استعارات استعمال کرنے سے ہمیشہ گریز کرتا ہے اس کا سادہ اور بے تکلف طرز بیان اتنا دلکش اور ذہن سے قریب ہوتا ہے جسے عربی احول کا چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی آسانی سے سمجھ لے یہ ایک حقیقت ہے کہ ماحول کی مطابقت اشعار کی قوت اثر کو اور بھی دوبالا کر دیتی ہے مثلاً جیسے ایک فرقت زدہ مجبور جذبات وصل و مسرت کی پوری منظر کشی نہیں کر سکتا اسی طرح عیش و عشرت کی خوش نصیبی پانے والا پر حسرت اشعار

پیش کرنے سے قاصر رہیگا۔ اور جس طرح ایک بوڑھا شباب کے کیف و مستی بھرے جذبات ویسے نہیں پیش کرسکتا جیسے ایک نوجوان اسی طرح ایک نوخیز بوڑھاپے کی آمد اور شباب کی وداعی حسرت کی ترجمانی پورے طور سے نہیں کرسکے گا چنانچہ ابوالفراس ہمدانی سا شاعر جوانی کے زمانے میں آئینہ کے سامنے کھڑا ہوا اپنے سر میں ایک سفید بال دیکھتا ہے تو سوائے اس کے بڑھاپے کے سلسلہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔

وما اربیت علی العشرین سنی - فماشان المشیب الی اشبالی

ہائیں میرا سن تو ابھی صرف بائیس ہی برس کا ہے یہ بڑھاپا کیسے میری جوانی کی سرحد میں داخل ہوگیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض شعرا کی طبعی جودت و خداداد ذہنیت اس معیاری بلندی پر ہوتی ہے کہ حالات و کیفیات کو اس شان کے ساتھ نظم کرجاتے ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعینہ خود گذشت و آپ بیتی سنا رہے ہیں کون نہیں جانتا کہ ایک لڑکا بڑھاپے کے مضمون کو اس خوبی سے ادا نہیں کرسکتا جیسا کہ ایک ستر اسی سال کا بوڑھا بیان کرسکتا ہے مگر ہمیں فخر ہے کہ ہمارا شاعر دعبل بقول صاحب آغانی جب لڑکپن میں آمد شباب کے موقعہ پر جوانی کا نوحہ اور بڑھاپے کی آمد کو نظم کرتا ہے تو ہارون رشید سا نقاد فن اور صاحب نظر بادشاہ دعبل ابن علی کو بلاکر انعامات بے پایاں سے سرفراز کرنیکے ساتھ ابی نواس مسلم و جاحظ کی موجودگی میں درباری شعرا میں داخل کرلیتا ہے۔

ہمیں دعبل کی بیکسی پر افسوس ہے کہ اس کو زمانے سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ دعبل کو باوجود اسکے کمال کے بھلا دے گا۔ اور وہی دعبل جس نے بڑی بڑی ادبی بزمیں منعقد کیں جن میں شعر و شاعری کی مینا سے چھلکتے ہوئے پیمانہ گردش کرتے تھے اور تشنہ کامان ذوق

خوب جی بھر بھر کے سیراب ہوتے تھے جہاں بڑے بڑے شہرۂ آفاق شعراء کی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبانیں گہر افشانی کیا کرتی تھیں چنانچہ ایک مرتبہ علی ابن یحییٰ منجم جیسی باوقار ہستی بھی کسی بزم میں شریک ہو چکی ہے جس کے ذہن میں مدتوں اس پر شوکت محفل کی آب و تاب جلوہ گر رہی جیسا کہ اس نے خود کہا ہے کہ

ماذا اقول ولم تنزل ذاهمة . فضل تقول بها الجميل وتفعل

في فتية بكروا على تطربا . من اوجه شتى وفيهم دعبل

(ترجمہ) ان جوانوں کے بارے میں) کوئی کیا زبان کھول سکتا ہے جو ہمیشہ باہمت رہے اور جن کے قول و فعل دونوں سے کمال و جمال کی ریزش ہوتی رہی یہ جوان (ایک مرتبہ) مختلف مقامات سے صبح سویرے میرے پاس مسکراتے ہوئے داخل ہوئے اور اور ان میں دعبل (جیسی شخصیت) بھی تھی۔ ان آنے والے نوجوانوں میں صرف دعبل کو خصوصیت سے ذکر کرنا اس سے دعبل کی امتیازی شخصیت پر کافی روشنی پڑجاتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی بن یحییٰ منجم جیسی شخصیت کی نظر میں دعبل کی کیسی وقعت تھی

افسوس کہ دعبل کی آرزو پوری نہ ہوسکی اور دعبل زمانے کی بے وفائی کا پوری طرح شکار ہو کے رہ گئے اور آج جبکہ چھوٹے چھوٹے ہزل گو شعراء مثلاً ابن حجاج و ابن سکرہ ابن لنکک کے خرخرفات ان کے مرنیکے بعد اسوقت بھی تاریخ میں محفوظ ہیں مگر نہیں ہے تو دعبل کا کلام اور جو کچھ ہے بھی تو وہ تھوڑی بہت ہجو ہے جس پر دعبل اپنے جذبۂ شیعیت کی بناء پر مجبور تھے مگر ہمیں فخر ہے کہ زمانے کی اس بے وفائی کے باوجود بھی چونکہ دعبل ان زندہ جاوید ہستیوں کے قدم سے لپٹے ہوئے تھے جن کی محبت پر مرنے والا شہید ہو کے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہتا

لہٰذا دعبل آج بھی زندہ ہیں اور جب تک چاند سورج بن روشنی ہے زندہ رہیں گے ۔

دعبل کی وفات

سو برس کی عمر تک مسلسل جہادِ حق کرنیوالے دعبل کیلئے وہ موقع بھی آیا کہ اب انھیں ائمہ معصومین کی بارگاہ میں حاضری کا شرف ملے اور وہ اپنے مراتب کو دیکھ کے اپنے خدمات کی اہمیت محسوس کریں یقیناً نزع کے وقت ہی سے انھوں نے اپنے سرہانے قدردانِ محمدؐ و حسینؑ کو دیکھ کے سمجھ لیا ہوگا کہ عنداللہ ان کا کیا مرتبہ ہے ان کو حسرت تھی کہ امام کے لباس میں کا کوئی کپڑا جزوِ کفن بنے چنانچہ حسب روایت صاحب بحار ان کو مامون نے بلا بھیجا کہ مجھے اپنا وہ قصیدۂ مدارس آیات والا سناؤ یہ جب پہونچے تو انھوں نے سنانے سے انکار کیا کہ اس اثنا میں خود امام بھی تشریف لائے اور آپ نے خود حکم دیا کہ وہ قصیدہ سناؤ مامون نے جب وہ قصیدہ سنا تو اتنا متاثر ہوا کہ پچاس ہزار درہم عطا کئے اور خود امام نے بھی اسی مقدار کے قریب مرحمت فرمائے اسوقت انھوں نے ہاتھ جوڑ کے کہا مولا کوئی کپڑا مرحمت ہو جو کفن کیلئے رکھوں اسوقت امام نے ایک تولیہ اور ایک قمیص مرحمت فرمایا اور حکم دیا کہ اسے محفوظ رکھنا یہ چیز یہ تیری محافظ ہونگی) اسکے بعد وزیر مامون فضل ابن سہل نے بھی بہت کچھ انعام دیئے یہ عراق پلٹ رہے تھے کہ راہ میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے انکے قافلہ پر چھاپا مارا اور ان کے قافلے والوں کا سارا مال و متاع جسمیں امام کے عطیات بھی تھے چھین لیا یہ خالی ہاتھ بیٹھے ہوئے سوچ رہے تھے کہ امام نے تو یہ فرمایا تھا کہ یہ ل تیری حفاظت کریگا یہاں حق ذاتی مال تھا وہ بھی نکل گیا ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ رہزنوں میں کا ایک شخص انکے چھینے ہوئے گھوڑے پر سوار انکے پاس سے انھیں کے مدارس والے قصیدہ کے کچھ اشعار پڑھتا ہوا چلا جا رہا تھا انھیں جو یہ

معلوم ہوا کہ یہ شخص شیعہ اور محب حسین ہے تو یہ خود کہتے ہیں کہ میرے دل میں آپ کے دیے ہوئے تولئے اور قمیص کیلئے ایک تڑپ پیدا ہوئی اور میں نے بڑھ کے پوچھا کہ بھائی یہ تم کس شاعر کا قصیدہ پڑھ رہے ہو اس رہزن نے کہا۔ چپ رہو تم کو اس سے کیا کام۔ دعبل نے کہا نہیں میں ایک خاص وجہ سے دریافت کرتا ہوں رہزن نے جواب دیا یہ قصیدہ بہت مشہور انسان شاعر آل محمد دعبل کا ہے خدا اُسے جزائے خیر دے دعبل نے جھک کے کہا میں ہی دعبل خزاعی ہوں اس شخص نے اہل قافلہ سے تصدیق چاہی سب نے تصدیق کی کہ ہم سب پہچانتے ہیں یہی دعبل ہیں یہ سننا تھا کہ وہ اپنے سردار کے پاس گیا اور اب کیا تھا تمام قافلہ کی کل کی کل چیزیں اور دعبل کا سارا سامان مع اضافہ کے واپس کیا اور خود دعبل کی زبان سے وہ قصیدہ بھی سنا۔

ابو علی احمد ابن محمد ہرزری ابو الحسن داؤد بکری سے روایت کرتا ہے کہ میں نے دعبل خزاعی کے فرزند علی ابن دعبل سے خود سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ دعبل کو وفات سے تین دن پہلے بستر نزع پر دیکھا کہ ان کا چہرہ سیاہ ہو گیا رنگ بدل گیا زبان میں گرہ پڑ گئی ہے علی ابن دعبل کہتے ہیں کہ میں یہ سمجھا تھا کہ شاید میرا باپ مذہب حق پر نہ تھا اور قریب تھا کہ میرے خیالات فاسد ہو جائیں کہ میں نے دو دن کے بعد جو باپ کو دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چہرہ سفید و نورانی ایک سفید ٹوپی سر پر نور برستا ہوا کہتے ہیں میں نے حیرت سے خود باپ سے سوال کیا کہ بابا یہ کیا راز تھا کہ کل تک تو آپ کا چہرہ بھیانک تھا اور آج اتنا نورانی تو باپ نے عالم نزع کی کانپتی ہوئی گفتار میں متبسم ہو کے کہا بیٹا یہ میرے چہرہ کی سیاہی میرے بعض گناہوں کی بنا پر تھی اسی اثنا میں میں نے رسول خدا سے ملاقات کی آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تیرا ہی نام دعبل ہے میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ رسول نے فرمایا کہ میری اولاد کے لیے جو کہا ہے اس میں سے کچھ پڑھ دعبل کہتے ہیں میں نے دو شعر پڑھے

لا اضحک اللہ سن الدھر ان ضحکت ۔ وآل محمد مظلومون قد قہروا

خدا مجھے کبھی نہ ہنسائے اگر میں اس موقع پر ہنسوں جبکہ آل محمد مظلوم و مقہور ہوں۔

مشردون نفوا عن عقر دارهم ۔ كانهم قد جنوا ما ليس يغتفر

ہائے آل محمد کو گھروں سے اجاڑ کے یوں ویران کیا گیا جیسے کسی بڑے مجرم کو پریشان کرتے ہیں

دعبل کی وفات کے سلسلہ میں کوئی مستند قول مجھے دستیاب نہ ہو سکا اگرچہ ابن عساکر نے یہ لکھا ہے کہ دعبل کی وفات ۲۴۶ھ میں ہوئی اور یہی ابن عساکر یہ بھی لکھتا ہے کہ دعبل نے معتصم کی ہجو کی اور معتصم نے دعبل کو قتل کر دیا۔ اس قول کے اعتبار سے دعبل کی وفات ۲۲۶ یا ۲۲۷ھ میں ثابت ہوتی ہے اس لیے کہ معتصم کے بعد ہارون واثق کی بیعت ۲۲۷ھ میں ہوئی ہے مجھے قول اول ابن عساکر کا صحیح معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ واقعات سے بھی یہی مدد ملتی ہے کہ دعبل عصر واثق کے بعد عصر متوکل تک زندہ رہے ان کے اسباب موت میں بھی کئی قول ہیں جن سے پتہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت دردناک طریقے سے دعبل کو قتل کیا گیا۔

شاعر آل محمد کی وفات مقام اہواز میں ہوئی اور وہیں آپ دفن کیے گئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے مالک بن طوق تغلبی کی بہت سخت ہجو فرمائی تھی اس نے ایک شخص کو دس ہزار درہم دیکر آپ کے قتل پر آمادہ کیا تھا چنانچہ آپ پر حملہ ہوا اور آپ اس کے تین چار دن بعد وفات فرما گئے انا للہ و انا الیہ راجعون آپ کے ہمعصر شعرا آپ کے غم سے بیحد متاثر ہوئے بحتری جیسے شاعر نے بھی غم کا مظاہرہ کیا۔ اور وہ دو شعر یہ ہیں۔

قد زاد في كلفي واوقد لوعتي ۔ مثوى احبت يوم مات ودعبل

اخوى لم تنزل السماء قحيلة ۔ تغشاكما السماء مزن مسبل

جدث على الاهواز يبعد دونه مسرى النعى ورمة بالموصل

[illegible] منظر ناظرین ہے امید ہے کہ اس کی فروگذاشتوں کو وہ معاف کر سکیں

جگہ دینگے اور حقیر کو دعائے خیر ست یاد فرماویں گے ۔

لطائف دعبل

دعبل کی ظرافت طبع کے سلسلہ میں کچھ مثالیں دوسرے عنوانات کے تحت گذر چکی ہیں یہاں ہم مختصراً کچھ چیزیں اس الگ عنوان کے تحت پیش کرتے ہیں ۔

ایک مرتبہ جناب دعبل دربار معتصم میں تشریف لیگئے آداب دربار کے تقاضوں نے انھیں بھی معتصم کیلئے کچھ اشعار کہنے پر مجبور کیا چنانچہ انھوں نے کچھ اشعار پڑھے معتصم سنتے ہی وجد میں جھوم اٹھا اور فوراً کہہ بیٹھا کہ دعبل آج جو چاہو مانگ لو ۔ ناظرین کتاب پڑھ چکے ہونگے کہ دعبل کو اپنے حقیقی ممدوحین سے دنیا ہی میں جو صلے مل گئے وہ کسی حکومت میں کیا دم تھا جو دے سکتی اور آخرت کے انعامات تو خیر بعد کی چیز ہیں معتصم کے اجداد نے جو ہمت نہ کی تھی وہ حوصلہ آج معتصم کر رہا ہے جناب دعبل نے فرمایا ۔ ایک بدرہ چاہتا ہوں (ایک بدرہ دس ہزار درہم کا ہوتا ہے) سو بدرہ کا نام سنتے ہی سارا نشۂ دولت ہرن ہوگیا ۔ اور کہا دعبل سو سال کی مہلت دو اور اسکی ضمانت کرو کہ میں زندہ بھی رہوں تب کہیں دے سکوں گا ۔ جناب دعبل نے جواب دیا کہ جب تک آپ چاہیں آپ کو مہلت ہے یہ کہکر جناب دعبل غصہ میں وہاں سے اٹھے اور آکر معتصم کے خواجہ سرا سے ملے ان خواجہ سرا کا کام یہ تھا کہ یہ مدح گو شاعروں کو بادشاہ سے ملاتے تھے اور یہ پہلے سے طے کر لیتے تھے کہ جو انعام تم کو ملے گا اس میں سے آدھا حصہ ہمارا بھی ہوگا ۔ غالباً یہی ان کا سب سے بڑا ذریعہ آمدنی تھا جو بادشاہ کو خود بھی معلوم تھا ۔

یہ خواجہ سرا اپنی نشست گاہ میں کسی بگڑی بھنی کی فکر میں بیٹھے تو کہ ایک مرتبہ جناب دعبل قضا مبرم بن کے پہنچ گئے ۔ خواجہ سرا دعبل جیسے شاعر کو دیکھتے ہی خوشی سے باغ باغ ہوگیا اور بڑھ کے

پوچھا فرمائیے کیا حکم ہے جناب دعبل نے فرمایا کہ میں ابھی بادشاہ ہی کے دربار سے آرہا ہوں کیا کہوں ایک حاجت تھی مگر کہنا بھول گیا کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میں کچھ اشعار میں وہ حاجت نظم کروں اور تم بادشاہ تک وہ اشعار پہونچا دو خواجہ سر بولے جی ہاں مگر جو کچھ آپ کو ملے گا اس میں کا آدھا حصہ میں بھی لوں گا۔ جناب دعبل یہ سنکر کچھ دیر کیلیے چپ ہوگئے اور ایک بڑے تفکر کے بعد آپنے فرمایا کہ اچھا آدھا انعام تم لے لینا یہ کہکر آپنے کاغذ اٹھایا اور یہ چند شعر کہہ ڈالے۔

بغداد دار الملوک کانت ۔ حتی دهاها الذی دهاها

بغداد یقیناً شاہوں کا دار السلطنت تھا لیکن اب تو اسکی حالت ہی ناگفتہ بہ ہے

ما غاب عنها سرور ملک ۔ اعاده الی بلد سواها

بادشاہ کہیں بھی رہے مگر اس کو بغداد کے مناظر نہیں بھولتے تھے ۔

ما سر من رای سرا ۔ بل هی بوس لمن رآها

سرمن رای کا مخفف ہی سامرہ کہتا ہے آپ سامرہ خوش کن ہونیکے بجا ایسا ہی کہ اس سے ملنا اور بدنصیبی سے دوچار ہونا دونوں برابر ہیں ۔

یا رب عجل لها خرابا ۔ برغم انف الذی ابتناها

پروردگار اب تو معتصم کی فکر تعمیر کی ضد میں اسے بہت جلد تباہ کر ڈال ۔

یہ اشعار دعبل نے لکھ کے ایک لفافہ میں مہر بند کر کے خواجہ سر کے حوالے کیے خواجہ سرا اُسے لئے ہوئے دربار معتصم میں پہونچا اور جاتے ہی لفافہ پیش کر دیا۔ بادشاہ نے دیکھتے ہی حکم دیا کہ جس شاعر کے یہ اشعار ہیں اُسے جلد حاضر کرو خواجہ سر نے پڑھ کے کہا مگر یہ دعبل کے اشعار ہیں اور مجھ نصف انعام کا وعدہ بھی ہی جناب دعبل کو خوب ڈھونڈا گیا لیکن یہ معلوم ہوا کہ جیسے زمین دعبل کو اپنے دامن میں چھپا چکی ہی جب وہ دستیاب نہ ہوسکے بادشاہ نے جھنجلاکے کہا نکلوا اس خواجہ سر کو اور

ایکہزار کوڑے مارو اس لئے کہ میں نے دعبل کا بھی انعام تجویز کیا ہے اور یہ خود کہتا ہے کہ نصف حصہ میرا ہی لہٰذا اس کو دعبل کا بھی حصہ دیدو ۔ یہ واقعہ ابن عساکر جلد پنجم سے لکھا گیا ہے۔

اس کے بعد ہم ایک واقعہ ایسا لکھتے ہیں جو دعبل کی بلند نفسی کا گواہ ہے۔

عبداللہ ابن طاہر اس شخص نے جس طرح دعبل کی مخالفت میں زبان کی فیاضی صرف کی ہے اسی طرح یہ دعبل کو انعامات دینے میں بھی بادشاہوں سے بڑھا چڑھا رہا ہے۔ چنانچہ جب یہ اپنے باپ کے بعد خراسان کے گورنر ہوئے ہیں تو انھیں اسی زمانے میں دعبل سے ملاقات کا اتفاق ہوا چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ہر مہینے کے پندرہ دن تک دس ہزار درہم یومیہ دعبل کو دیتے رہے ابھی صرف ایکسو پچاس ہزار درہم تک نوبت پہونچی تھی کہ جناب دعبل کو نجانے کون سا رنج پہنچا کہ آپ ایک کثیر دولت کو ٹھکرا کر دربار عبداللہ ابن طاہر سے چلے آئے اور رشتہ مصاحبت یک لخت قطع کر دیا۔ جناب دعبل نے نہ جانے ان چند دنوں میں اپنے اخلاق و محبت اور اشعار کا کیسا سکہ جما دیا تھا کہ اب عبداللہ طاہر کو بے انتہا بیچینی ہونے لگی اور کوشش کی کہ جناب دعبل واپس آجائیں مگر آپ نے صرف تین شعر لکھ کر خاموشی اختیار کی ان اشعار سے وجہ رنجش کچھ نہیں کھلتی بلکہ ظرافت آمیز انداز میں ٹال دینا چاہا ہے —— چنانچہ فرماتے ہیں

ھجرتک لم اھجرک من کفر نعمۃ ۔ وھل ترتجی فیک الزیادہ بالکفر
الکننی لما اتیتک زائرا ۔ فافرطت فی بری عجزت عن الشکر
فان زدت فی بری تزیدت جفوۃ ولن نلتقی حتی القیامۃ والحشر

(۱) میں تیرے احسان کا منکر ہو کر تجھ سے جدا نہیں ہوا اور کیا محسن کشی کر کے تجھ سے کچھ زیادہ انعامات کی توقع ہو سکتی ہے ۔ (۲) لیکن بات یہ ہے کہ جب میں فقط تجھ سے ملاقات ہی کرنے آیا تھا تو تو نے اسی وقت اتنے احسانات کر دیے کہ میرا جذبہ تشکر ان کا بوجھ سہار نہ سکا۔

(۳) اور اگر کہیں احسانات اور بڑھتے تو یہ میرے اوپر اور زیادہ جفا ہوتی تب تو میں

روز قیامت سے پہلے مل ہی نہ سکتا ۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ہمارے شاعر عبداللہ ابن طاہر خزاعی کے احسانات اور اسکی فراوانی و دولت کی نعمت ۔ انکو نہایت حسین انداز میں ٹھکرا رہا ہے پھر بھی کوئی ایسا اہم نہیں ہے ورنہ ممکن تھا کہ ہجو کہتے ۔

میرے ذہن میں سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں آتی کہ دعبل جیسے نازک مزاج شاعر کی بلند نفسی اپنے ہم قبیلہ کا احسان قبول کرنا نہیں چاہتی تھی یہی وجہ ہے کہ عبداللہ ابن طاہر سے بھی دعبل دامن بچھڑائے ہیں ۔

کہاں ہیں دعبل کو بندہ نفس کہنے والے ابن قوتہ اور زبان بد گو کے خطاب دینے والے آئیں اور انصاف کی آنکھوں سے دعبل کا بلند کردار دیکھیں اور سمجھیں کہ امام نے کیوں انھیں اپنا مددگار کہا اور کیوں یہ شاعر آل محمد مشہور ہوئے ۔

آخر میں ہم ایک واقعہ لکھکر کتاب کا یہ باب بھی ختم کرتے ہیں ۔ فرزند زبیر ابن عوام نے ایک مرتبہ جناب دعبل کے خلاف یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ دعبل نے معاذاللہ جناب صفیہ بنت عبدالمطلب کو سب و شتم کیا ہے اور بہت زیادہ برا بھلا کہا ہے ۔ قاضی صاحب یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گئے اور سارے شہر میں ایک ہنگامہ مچ گیا ۔ جناب دعبل اس شور و شغب میں اپنے کو غیر محفوظ پا کر گھر میں بیٹھ رہے لیکن قاضی صاحب نے اس پر بھی اکتفا نہ کی بلکہ بطور تنبیہ دعبل کے گھر پر سرکاری نوٹس لگا دیا کہ عذر جلد از جلد پیش کرو ۔ چنانچہ جناب دعبل نے ایک خط قاضی شہر کو لکھا

جناب دعبل کا خط قاضی شہر کے نام ۔

یہ خط اپنی دلچسپی میں نظیر نہیں رکھتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ مع عبارت کے پیش کریں ۔

آپ لکھتے ہیں۔ ما رایت قط اجھل منک الا من ولاک فانہ اجھل یقضی فی العربدہ و یحکم علی خصم غائب و یقبل عقلک ان رافضی اشتم صفیہ بنت عبد المطلب. سخنت عینک امن دین الرافضۃ شتم صفیہ

ترجمہ (جناب قاضی صاحب) میں نے جناب سے زیادہ جاہل انسان نہیں دیکھا اِن آپ سے زیادہ جاہل تو وہی ہو سکتا ہے جس نے آپ کو یہ عہدۂ قضا سپرد کیا وہ جاہل تر معلوم ہوتا ہے آپ بد خلقی پر فیصلہ دینے بیٹھے ہیں۔ غائب مدعا علیہ پر آپ احکام نافذ کر رہے ہیں اور جناب کی عقل سلیم مجھے رافضی سمجھتے ہوئے بھی یہ قبول کرتی ہے کہ میں جناب صفیہ بنت عبد المطلب کو معاذ اللہ دسب و شتم کرونگا خنک ہوں آپ کی آنکھیں کیا رافضیوں کے دین میں یہ جائز ہے کہ وہ جناب صفیہ کو سب و شتم کریں معلا

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ جناب دعبل زمانے کی رو کے ساتھ بہنے والوں میں نہ تھے بلکہ وہ اپنی شیعت کا ہانکے پکارے ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتے رہتے تھے اور ان کی بلند حوصلگی اور دلیری کا یہ عالم تھا کہ کبھی امر حق کے اعلان و اشاعت میں ذرہ بھر نہ جھجکے چنانچہ ایک شخص نے تعجب سے پوچھ لیا کہ آپ نے ہارون رشید و مامون و امین جیسے بادشاہوں کی کھلم کھلا مخالفت کی اور اس میں آپ نے اپنی جان کا کچھ خوف نہیں کیا تو آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے یہ جملہ فرمایا کہ میں اپنا عصا ساٹھ سال تک لیے گھومتا رہا لیکن کوئی ایسا نہ ملا جو مجھے سولی دیتا)

بیشک یہ دعبل کا ہی دل گردہ تھا کہ تلواروں کے سایہ میں رہا لیکن علوی سیرت کا نمونہ بنکے قدم قدم پر خارستان کفر نے دامن کھینچا مگر اسوۂ سید سجاد پیش نظر رکھ کے خاروں کو روندتا ہوا گذر ا یقیناً دعبل خرمن کفر کیلئے ایک برق تھے۔ جو کڑک کڑک کر چمک چمک کر کبھی آنکھیں دکھاتے اور کبھی آگ لگاتے تھے حق یہ ہے کہ دعبل خزاعی نے اپنی زندگی کا جو بہترین کردار اہل زمانہ کو دیا وہ اس قابل ہے کہ عصر حاضر میں اسکی تبلیغ کی جائے تاکہ ہمارے نوجوان شاعر و غیر شاعر دونوں اس کو نمونہ عمل قرار دے کر دین و مذہب کی حفاظت میں پورا پورا حصہ لیں۔

وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین

اس کتاب کی قیمت بارہ ۱۲/ آنے، علاوہ محصول ڈاک

(جملہ حقوق طبع بحق مولف محفوظ ہیں)

"شراب الصالحین"

یہ شراب ہے زاہد جسے حرم میں پئیں

دواخانہ معدن الادویہ کا

بے نظیر تحفہ

موسم گرما و سرما کی شدید زحمتوں سے اگر نجات چاہتے ہیں تو یہ مجرب نسخہ استعمال کیجئے جسے امام رضا غریب نے خلیفہ مامون کیلئے تیار کیا تھا۔ دل و دماغ اور اعضائے رئیسہ کو بڑی تقویت بخشتا ہے۔ قیمت فی بوتل ۳ روپے

دواخانہ معدن الادویہ وکٹوریہ سٹریٹ لکھنؤ

حسن و زیبائش

انسان کا اصلی جوہر ہے آپ کو چاہئے کہ ہر خوشی کے موقع پر ہمارے کارخانے کے معیاری اور بلند پایہ کاریگروں کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہر ڈیزائن کی ساریاں آری۔ زردوزی کی۔ ٹمبر۔ لہنگا اور چادریں وغیرہ جدید و قدیم طرز کی صنعت کے ساتھ آرڈر دینے پر تیار ہو سکتی ہیں۔ آپ کا قومی فریضہ ہے کہ اپنے بچوں کی شادی بیاہ کے موقعوں پر ہم کو فراموش نہ کریں گے۔ وعدہ کی پابندی۔ مال کی پختگی۔ کام کی صفائی کا خاص طور سے لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ایکبار تجربہ فرما کر ہماری صداقت کا امتحان فرمائیے۔ نوٹ۔ ہمارے کارخانہ میں چکن اور بادلہ کا بھی ہر قسم کا کام ہوتا ہے۔

اچھن بھائی حبیب حسین (مالک)
اے ایچ زری ورکس چوک لکھنؤ

دارالاشاعت اسلامی، بی بی گنج لکھنؤ

مطبع یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ